الکزاندر پُشکِن

کپتان کی بیٹی

بدیشی زبانوں کا اشاعت گھر
ماسکو

А. С. ПУШКИН

КАПИТАНСКАЯ ДОЧКА

ИЗДАТЕЛЬСТВО ЛИТЕРАТУРЫ НА ИНОСТРАННЫХ ЯЗЫКАХ
МОСКВА

ترجمہ: خدیجہ عظیم

تصویریں از ن ـ فاوورسکی

ڈیزائین از و ـ فاوورسکی

فہرست

کپتان کی بیٹی

جوانی کے دنوں میں اپنی
عزت کی حفاظت کرو۔

کہاوت

پہلا باب

گارد دستے کا سارجنٹ

«جلد ھی وہ گارد دستے میں کپتان ھو جائے گا ۔»
«کیا حرج ھے! اچھا ھے وہ بھی سپاھیوں کے کھانے میں شریک ھو جائے ۔»
«ھاں، اور سپاھیوں کے کام میں بھی! کیا خوب کہا ھے...»

. . . .

«اس کا باپ کون ھے؟» (۱)

کنیاژنین

میرے باپ اندری پیتروِوچ گرنیوف نے اپنی نوجوانی کے زمانے میں کاؤنٹ مینخ کے تحت کام کیا اور — ۱۷ ء میں میجر کے اعزازی عہدے پر پہنچنے کے بعد انہوں نے ملازمت ترک کر دی ۔ اس کے بعد وہ اپنی جاگیر صوبۂ سمبرسک میں رھنے لگے، اور وھیں انہوں نے اسی علاقے کے ایک تباہ حال مگر شریف آدمی کی بیٹی اودوتیا وسیلیےونا سے شادی کر لی ۔ ھم نو بہن بھائی تھے ۔ لیکن میرے سب بھائی بہن بچپن ھی میں ختم ھو گئے ۔ میں ابھی ماں کے پیٹ میں ھی تھا کہ مجھے، ایک رشتے دار

گارد دستے کے میجر شہزادہ ب۔ کی مہربانی کی وجہ سے سیمیونوف رجمنٹ میں سارجنٹ کی حیثیت سے بھرتی کر لیا گیا۔ اگر میری ماں لڑکی کو جنم دیتیں اور اس طرح میرے ماں باپ کی تمام امیدیں اور آرزوئیں خاک میں مل جاتیں، تو میرے باپ اس قصوروار سارجنٹ کی موت کی اطلاع دے دیتے، اور اس طرح یہ قصہ وہیں کے وہیں پاک ہو جاتا۔ جب تک میں اپنی تعلیم مکمل کروں، جب تک میں گویا چھٹی پر تھا۔ اس زمانے میں تعلیم ایسی نہیں تھی جیسی آج ہے۔ پانچ سال کی عمر میں، مجھے ساویلچ کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ شاہی محل کا یہ معمولی ملازم اپنی سنجیدگی کی وجہ سے ترقی پا کر میرا استاد مقرر ہو گیا تھا۔ اس کی شاگردی میں، بارہ سال کی عمر میں، میں اپنی مادری زبان لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گیا، اور شکاری کتوں کی خصوصیات سمجھنے میں ماہر ہو گیا۔ انہیں دنوں میرے باپ نے میرے لئے ایک فرانسیسی استاد موسیو بوپرے کا انتظام کر دیا۔ وہ ماسکو سے سال بھر کے قابل شراب اور زیتون کے تیل کے ساتھہ پہنچ گئے۔ ساویلچ ان کے آنے سے بہت خفا تھا۔ «خدا کا شکر ہے کہ اب تک بچے کو ہمیشہ نہلایا دھلایا گیا ہے، اس کے بال سنوارے گئے ہیں، اور اس کے کھانے پینے کی مناسب دیکھہ بھال کی گئی ہے» وہ بڑ بڑایا۔ «آخر انہیں ان صاحب پر روپیہ برباد کرنیکی کیا مصیبت ہے، گویا ہماری اپنی جاگیر پر آدمیوں کا ٹوٹا پڑا ہوا ہے؟»

اپنے وطن میں وہ حجام تھے، اس کے بعد پروشیائی فوج میں بھرتی ہو گئے اور پھر ایک استاد کی حیثیت سے روس آ گئے۔ وہ اچھی طرح لفظ استاد کا مطلب تک نہ سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ بہت بد چلن اور متلون المزاج تھے، مگر دل کے بہت اچھے تھے۔ اور صنف نازک تو ان کی خاص کمزوری تھی، اور اس سلسلے میں پیش قدمی کرکے انہوں نے اکثر زخم کھائے تھے، جس کا انہیں کئی کئی دن غم رہتا۔ ساتھہ ہی (ان کے اپنے الفاظ میں) «انہیں جام و مینا سے بھی کوئی دشمنی نہیں تھی» یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ پینے پلانے کے خاصے شوقین تھے۔ چونکہ ہمارے گھر میں شراب صرف کھانے کے وقت پیش کی جاتی تھی، اور وہ بھی دونوں کھانوں کے وقت صرف ایک ایک جام فی کس، اور استاد بچارے تو اکثر نظر انداز ہی کر دئے جاتے تھے، اس لئے موسیو بوپرے نے بہت جلد خود کو گھریلو روسی شراب کا عادی بنا لیا۔ اور جلد ہی، اسے ہاضمے کے لئے زیادہ بہتر قرار دےکر خود اپنے ملک کی شرابوں پر ترجیح دینے لگے۔ میں اور وہ بہت جلد گھل مل گئے۔ اور حالانکہ وہ مجھے «فرانسیسی، جرمن اور دوسرے مضامین» پڑھانے کے لئے مقرر ہوئے تھے، لیکن انہوں نے دیکھا کہ یہ کہیں زیادہ آسان ہے کہ وہ میری مدد سے روسی کی کچھہ شدبد حاصل کریں۔ اور ہم دونوں اطمینان سے اپنی اپنی فکر کرنے لگے۔ ہماری خوب نبھہ رہی تھی۔ مجھے اس سے بہتر اتالیق کی خواہش نہیں تھی۔ مگر قسمت نے ہمیں جلد ہی ایک

دوسرے سے جدا کر دیا ـ میں ابھی آپ کو بتاؤں گا کہ یہ
کیسے ہوا ـ

موٹی چیچک رو دھوبن پالاشکا اور کانی گوالن اکولکا
میری ماں کے پاؤوں پر گر پڑیں اور اپنی کمزوری کا اعتراف
کرتے ہوئے موسیو کی شکایت کی جس نے ان کی نا تجربہ کاری
اور معصومیت سے خوب خوب فائدہ اٹھایا تھا ـ میری ماں ایسی
باتوں کو آسانی سے ٹالنے کی عادی نہیں تھیں ـ انہوں نے
میرے باپ کو سب کچھہ بتا دیا ـ میرے باپ نے کمال مستعدی
سے اس سلسلے میں مناسب کارروائی شروع کر دی ـ انہوں نے
فوراً اس بدمعاش فرانسیسی کو بلوایا ـ انہیں بتایا گیا کہ
موسیو مجھے پڑھا رہے ہیں ـ میرے باپ میرے کمرے میں
پہنچے ـ جہاں انہوں نے موسیو بوپرے کو گہری نیند کے مزے
لوٹتے ہوئے پایا ـ میں بھی اپنے کام میں مشغول تھا ـ یہاں میں
یہ بتا دوں کہ میرے لئے ماسکو سے ایک بڑا سا نقشہ منگایا
گیا تھا ـ وہ بیکار دیوار پر ٹنگا رہتا تھا، اور مدتوں سے اس
کے بہترین کاغذ اور اس کی وسعت کی وجہ سے میرے ہاتھوں
میں کھجلی اٹھہ رہی تھی ـ اور آخر میں نے طے کیا کہ اس
سے پتنگ بنائی جائے ـ اور بوپرے کی نیند سے فائدہ اٹھا کر
میں اس محاذ پر جٹ گیا ـ میرے باپ ٹھیک اس وقت کمرے
میں داخل ہوئے جب میں راس امید میں زیزفون کی چھال کا
دھاگا پھنسا کر دم بنا رہا تھا ـ انہوں نے میری جغرافیے کی
تعلیم کا اعتراف کرتے ہوئے میری گوش مالی کر ڈالی ـ پھر

وہ لپکتے ہوئے موسیو بوپرے کے قریب پہنچے، اور انہیں بھی
نہایت سختی سے اٹھایا اور ان پر لعنت ملامت کی بارش شروع
کر دی ـ بوپرے بو کھلا گئے، انہوں نے اٹھنے کی بہت بہت
کوشش کی، مگر بے سود ـــ بدقسمت فرانسیسی بری طرح شراب
کے نشے میں دھت تھا ـ ایک برائی کرو یا دس نتیجہ تو وہی
ہوگا ـ میرے باپ نے ان کا کالر پکڑ کر انہیں بستر سے اٹھایا،
دھکے دے دے کر کمرے سے باہر نکالا، اور اسی دن انہیں
گھر سے نکال باہر کیا ـ ساویلچ کو اس سے کس قدر ناقابل
بیان خوشی ہوئی! اور اس طرح میری تعلیم کا خاتمہ ہو گیا ـ

میں جاہل کا جاہل رہ گیا ـ اور جاگیر کے لڑکوں کے
ساتھہ کبوتر بازی اور دائی دکے وغیرہ میں وقت گنوانے لگا ـ
اور اس طرح میری عمر کے سولہ سال بیت گئے ـ اور تب میری
زندگی میں ایک بہت بڑا انقلاب آیا ـ

موسم خزاں میں ایک دن میری ماں ملاقات کے کمرے میں
بیٹھی ہوئی شہد میں گوندنیاں پکا رہی تھیں ـ میں قریب کھڑا
ہوا کھولتے ہوئے جھاگ کو دیکھہ کر ہونٹ چاٹ رہا تھا ـ
میرے ابا کھڑکی کے قریب بیٹھے شاہی کیلنڈر پڑھہ رہے تھے ـ
یہ کتاب ہر سال ہمارے ہاں آتی تھی ـ اس کتاب کا ہمیشہ ان
پر گہرا اثر ہوتا تھا ـ وہ اسے ہمیشہ انتہائی انہماک کے ساتھہ
پڑھتے، اور اس کے بعد ہمیشہ ان کے مزاج کا پارہ چڑھہ جاتا ـ
میری ماں، جو ان کے رگ و ریشے سے خوب اچھی طرح واقف
تھیں، ہمیشہ اس نامعقول کتاب کو کسی نامعلوم کونے میں چھپا

دیتیں، اور اس طرح اکثر کئی کئی مہینے گزر جاتے اور شاہی کیلنڈر پر ابا کی نظر نہ پڑتی۔ لیکن جب کبھی وہ ان کے ہاتھہ پڑ جاتا تو وہ گھنٹوں اسے نہ چھوڑتے۔ اور آج بھی میرے ابا شاہی کیلنڈر پڑھہ رہے تھے، وہ بار بار کندھے جھٹکتے اور منہ ہی منہ میں بڑ بڑاتے۔ «لیفٹیننٹ جنرل!.. وہ میری رجمنٹ میں سارجنٹ تھا! اور آج تمغہ یافتہ افسر ہے، جس کو روس کے دو سب سے بڑے اعزازی تمغے (۲) ملے ہیں۔ کل کی بات معلوم ہوتی ہے، جب وہ اور میں...» آخرکار شاہی کیلنڈر کو صوفے پر پھینک کر وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہو گئے۔ اور یہ گھروالوں کے لئے نیک شگون نہیں تھا۔

یکا یک وہ میری ماں کی طرف مڑے، «اودوتیا وسیلیےونا، پیتروشا کی کیا عمر ہے؟»

«کیوں، سولہ سال کا ہو گیا ہے» میری ماں نے جواب دیا۔ «پیتروشا اسی سال پیدا ہوا تھا جس سال خالہ نستاسیا گراسیموونا کی ایک آنکھہ کی بینائی جاتی رہی تھی...»

«اچھا، اچھا!» میرے باپ نے انہیں ٹوک دیا۔ «اب اسے ملازمت شروع کر دینی چاہئے۔ بہت ہو چکا، وہ کبوتر خانوں اور ملازم عورتوں کے گھروں کے بہت چکر لگا چکا۔»

مجھہ سے اتنی جلد جدا ہو جانے کے خیال سے میری ماں کا دل بھر آیا، ان کے ہاتھہ سے چمچہ چھوٹ کر پتیلی میں جا گرا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور میری خوشی بیان سے باہر تھی۔ فوج میں نوکری کا خیال آتے ہی

پیٹرسبرگ کی آزاد اور خوشگوار زندگی کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے آ جاتی تھی — میں نے خود کو گارد دستے کا افسر تصور کیا، اور یہ تو گویا میرے لئے انسانیت کی معراج تھی —

میرے باپ کو اپنے ارادوں میں کوئی تبدیلی کرنا یا کوتاہی کرنا بالکل پسند نہیں تھا — اور میری جدائی کا دن مقرر ہو گیا — روانگی سے ذرا سی دیر پہلے میرے ابا نے کہا کہ وہ میرے ہونےوالے افسر اعلیٰ کے نام مجھے ایک خط دیں گے، انہوں نے قلم دوات منگوائی —

«میری طرف سے شہزادہ ب — کو سلام لکھنا نہ بھولنا» میری اماں نے کہا — «یہ بھی لکھہ دینا کہ ہمیں امید ہے کہ وہ آئندہ بھی پیتروشا پر مہربان رہیں گے —»

«بکواس!» میرے ابا نے تیوریاں چڑھا کر جواب دیا — «میں شہزادہ ب — کو کیوں لکھوں؟»

«کیوں تم ہی نے تو کہا تھا کہ تم پیتروشا کے افسر کو خط لکھہ رہے ہو —»

«اچھا لکھہ رہا ہوں تو پھر؟»

«ارے بھئی شہزادہ ب — ہی تو اس کے افسر اعلیٰ ہوں گے — پیتروشا سیمیونوف رجمنٹ ہی میں تو بھرتی ہوا ہے، [illegible] ہے نا!»

«[illegible] ہوا ہے! اگر بھرتی ہوا بھی ہے تو مجھے اس سے کیا مطلب؟ پیتروشا پیٹرسبرگ نہیں جا رہا ہے — پیٹرسبرگ

میں ملازمت کر کے وہ کیا خاک سیکھے گا؟ بدکاری اور نامعقولیت کے سوا کچھ نہیں۔ اسے فوج میں ملازمت کرنی چاهئے، جہاں اسے فوجی تھیلا لادنا پڑے اور گولا بارود سے دو چار ہونا پڑے۔ اسے بانکا چھیلا نہیں سپاہی بننا چاہئے، سپاہی۔ گارد دستے میں بھرتی ہونیکی بھی ایک ہی رہی! اس کا پاسپورٹ کہاں ہے؟ لاؤ مجھے دو!»

میری اماں نے میرا پاسپورٹ ڈھونڈا۔ جسے وہ میرے بپتسمے کے قمیص کے ساتھ احتیاط سے دراز میں رکھتی تھیں۔ انہوں نے کانپتے هاتھوں سے پاسپورٹ ابا کو دے دیا۔ میرے باپ نے اس پر ایک نظر ڈالی، اور اسے اپنے سامنے میز پر رکھ کر خط لکھنا شروع کیا۔

میں تجسس کے مارے مرا جا رہا تھا۔ اگر میں پیٹرسبرگ نہیں جا رہا تھا تو آخر کہاں جا رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے کو بھی آهسته آهسته کاغذ پر پھسلتے ہوئے پر کے قلم سے نظریں نہیں اٹھائیں۔ آخرکار انہوں نے خط ختم کیا اور میرے پاسپورٹ کے ساتھ اسے ایک سر به مہر لفافے میں رکھ دیا۔ اور عینک اتارتے ہوئے مجھے اپنے پاس بلایا۔ «دیکھو یه میرے پرانے دوست اور ساتھی، اندری کارلووچ ر۔ کے نام کا خط ہے۔ تم اورنبرگ جا کر ان کی ماتحتی میں کام کروگے۔»

شاندار مستقبل کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں! پیٹرسبرگ کی دلچسپیوں کے بجائے خدائی کے پچھواڑے کسی گمنام جگه کی بے رنگ زندگی میری منتظر تھی۔ فوجی ملازمت،

جو لمحے بھر پہلے میرے ولوله انگیز خوابوں کا سرچشمه تھی، اب میرے لئے سخت امتحان بن گئی تھی۔ لیکن چون و چرا کی گنجائش نه تھی۔ اگلے دن صبح صبح مسافر گاڑی مکان کے سامنے کھڑی تھی۔ میرا صندوق اور ایک ڈبا گاڑی میں رکھه دیا گیا۔ ڈبے میں گھریلو پیار و محبت کی رخصتی نشانیاں، یعنی چائے کا سامان، تازے سموسے اور رول رکھے ہوئے تھے۔ میرے ماں باپ نے مجھے بزرگانه دعائیں دی۔ میرے باپ نے مجھه سے کہا «خدا حافظ پیوتر، جس کی وفاداری کا عہد کرو، همیشه وفاداری سے اس کی خدمت کرنا، اپنے حکام کا حکم ماننا، ان کی نظروں میں چڑھنے کی کوشش نه کرنا، بے ضرورت اپنی خدمات پیش نه کرنا، اور جب تمہاری خدمات کی ضرورت هو تو کسی قیمت پر انکار نه کرنا۔ یه کہاوت همیشه یاد رکھو: اپنے کپڑوں پر نظر رکھو جب وه نئے هوں، اور اپنی عزت کی حفاظت کرو جب تم جوان هو۔» میری اماں نے آنکھوں میں آنسو بھر کر مجھه سے وعده لیا که میں اپنی صحت کا خیال رکھوں گا، ساتھه هی انہوں نے ساویلچ کو بچے کی دیکھه بھال کرنے کی هدایت دی۔ انہوں نے مجھے خرگوش کی کھال کا کوٹ پہنوایا اور اس کے اوپر کپڑے کا کوٹ، جس میں لومڑی کے سمور کا استر لگا هوا تھا۔ میں پھوٹ پھوٹ کر روتا هوا ساویلچ کے پہلو میں گاڑی میں بیٹھه کر سفر پر روانه هو گیا۔

رات هوتے هوتے هم سمبرسک پہنچ گئے، جہاں همیں اگلے دن اترنا تھا، کیونکه ساویلچ کو ذمه‌داری دی گئی تھی که وه

وہاں سے ضروری چیزیں خرید لیں۔ ہم ایک سرائے میں اترے۔ اگلے دن صبح ہی ساویلچ خریداری کے لئے نکل گئے۔ کھڑکی سے گندی گلی کا نظارہ کرتے کرتے اکتا کر میں نے سرائے کے چکر لگانے شروع کر دئے۔ بلیرڈ کے کمرے میں مجھے ایک لمبے سے صاحب نظر پڑے، ان کی عمر تقریباً پینتیس سال ہوگی۔ ان کی سیاہ موچھیں نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں، وہ ڈریسنگ گاؤن پہنے ہوئے تھے، ہاتھ میں بلیرڈ کا بلا تھا اور منه میں پائپ۔ وہ کھوجیے کے ساتھ کھیل رہے تھے، جو ہر دفعه جیتنے پر وودکا کا ایک جام چڑھاتا تھا اور ہر دفعه جب ہارتا تھا تو چاروں ہاتھ پاؤں کے بل میز کے نیچے چلا جاتا۔ میں کھڑا ہوا انکا کھیل دیکھتا رہا۔ جتنا جتنا وقت گزرتا گیا کھوجیے کو اور زیادہ جلدی جلدی میز کے نیچے جانا پڑا، یہاں تک که آخرکار وہ میز کے نیچے ہی رہ گیا۔ ان صاحب نے چند تعزیتی فقرے کہے اور پھر مجھے کھیلنے کی دعوت دی۔ چونکه میں کھیلنا نہیں جانتا تھا اس لئے میں نے انکار کر دیا۔ یه سن‌کر انہیں بہت تعجب ہوا۔ اور انہوں نے مجھے بہت رحم بھری نظروں سے دیکھا۔ بہر حال ہمارے درمیان بات چیت کا سلسله شروع ہو گیا۔ مجھے معلوم ہوا که ان کا نام ایوان ایوانووچ زورین ہے۔ وہ ہوسار دستے میں کپتان ہیں، اور آج کل بھرتی کرنے کی غرض سے سمبرسک میں ہیں اور یہیں سرائے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ زورین نے سپاہیانه شان سے مجھے کھانے کی دعوت دی۔ اور

میں فوراً تیار ہو گیا۔ ہم کھانے کی میز پر بیٹھ گئے۔ زورین نے بہت پی اور میرا جام بھی بھرتے رہے۔ وہ برابر کہتے رہے که مجھے فوجی ملازمت کے طور طریق کا عادی بننا چاہئے۔ انہوں نے مجھے فوجی زندگی کے بارے میں اتنی دلچسپ کہانیاں سنائیں که ہنستے ہنستے میرے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ اور کھانے کی میز سے اٹھے تو ہم ایک دوسرے کے جگری دوست تھے۔ تب انہوں نے کہا که وہ مجھے بلیرڈ سکھائیں گے۔ «ہم سپاہیوں کے لئے تو یه بہت ضروری ہے۔ مثلاً تم فوجی مارچ کے سلسلے میں کسی نامعلوم سی جگه پہنچ جاؤ، تو وہاں تم کیا کروگے؟ ہر وقت تم یہودیوں کا پیچھا کرنے سے تو رہے۔ کسی سرائے میں جاکر بلیرڈ کے ایک دو ہاتھ کھیلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اور اس لئے تمہیں یه کھیل سیکھنا چاہئے۔» میں ان کی باتوں سے بالکل متفق تھا۔ اور میں جان توڑ کر اس تعلیم میں جٹ گیا۔ زورین زور و شور سے میری ہمت افزائی کر رہے تھے۔ میری ترقی کی رفتار [illegible] ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ چند کھیل کھیلنے کے بعد انہوں نے رائے دی که اب ہم تھوڑی سی بازی لگا کر کھیلیں، پیسے کی خاطر نہیں، بلکه اس لئے که بے بازی لگائے کھیلنا ان کی نظر میں بدترین عادت تھی۔ میں اس پر بھی تیار ہو گیا۔ زورین نے پنچ شراب منگوائی اور مجھ سے اصرار [illegible] میں بھی چکھوں۔ انہوں نے پھر کہا که مجھے فوجی [illegible] عادت ڈالنی چاہئے۔ فوج میں پنچ کے بغیر

زندگی کا کیا لطف؟ میں نے حکم کی تعمیل کی ـ ساتھہ ھی
ساتھہ ہم کھیل میں بھی مصروف رھے ـ اور ہر گھونٹ کے
ساتھہ میری جھجک دور ھوتی چلی گئی ـ میری گیند برابر میز
سے نیچے گر رھی تھی، میں بھنا گیا اور میں نے کھوجیے کو
برا بھلا کہنا شروع کیا کہ اسے گنتی رکھنا نہیں آتا، میں
برابر شرط کا روپیہ ہارتا چلا گیا ـــ غرضیکہ میں نے بالکل اس
کم عمر چھوکرے کی سی حرکتیں کیں جسے پہلی دفعہ آزادی
کا سانس لینے کا موقع ملا ہو ـ وقت گزرتا رہا ـ زورین نے
گھڑی پر نظر ڈالی، اور بلا رکھدیا ـ انہوں نے بتایا کہ میں
سو روبل ہار گیا ہوں ـ یہ سن کر میں گھبرا گیا ـ میرا تمام
روپیہ ساویلچ کے پاس تھا ـ میں نے ان سے معذرت کرنی شروع
کی ـ لیکن زورین نے بیچ ھی میں بات کاٹ دی «اس کی کچھہ
پروا نہ کرو ـ پریشانی کی کیا بات ھے! میں انتظار کر لوں گا ـ
اور تب تک چلو ہم آرینوشکا کے ھاں چلیں ـ»

میں کیا کہہ سکتا تھا؟ میرا دن جن حماقتوں میں شروع
ھوا تھا اسی میں ختم ھو گیا ـ ہم نے آرینوشکا کے ساتھہ کھانا
کھایا ـ زورین برابر میرے لئے جام پر جام بھرتے رہے اور
کہتے رہے کہ مجھے فوجی زندگی کی عادت ڈالنی چاھئے ـ اور
جب میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو مجھے اندازہ ھوا کہ مجھہ
سے کھڑا بھی نہیں ھوا جا رہا ـ آدھی رات کو زورین مجھے
اپنے ساتھہ گاڑی میں بٹھا کر سرائے واپس لائے ـ

ساویلچ ہمیں سڑھیوں پر ملے ـ ملازمت کے لئے میرا یہ

جوش و خروش دیکھہ کر ان کا اندر کا سانس اندر اوپر کا
اوپر رہ گیا ـ «تم کیا کرتے پھر رہے تھے؟» انہوں نے دردناک
آواز میں مجھہ سے پوچھا ـ «تم نے کہاں اپنی یہ حالت بنا لی ـ
اف میرے خدا ـ میرے مولا! کیا دنیا میں اتنی بدمعاشی ھے؟»
«خاموش جھکی بوڑھے!» میں نے بےشرمی سے کہا ـ «یقیناً
تم نشے میں ھو جاؤ سو رہو... اور مجھے بھی بستر پر پہنچا دو ـ»

اگلے دن صبح میں اٹھا تو سر بھاری تھا اور گذشتہ دن
کے واقعات کی دھندلی سی یاد باقی تھی ـ ساویلچ نے ایک
پیالی چائے لاکر میرے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا ـ «پیوتر
اندریےیچ، تم نے بہت کم عمری میں شراب نوشی شروع کر دی»
انہوں نے سر ہلاتے ہوئے کہا ـ «اور آخر تم نے یہ سیکھا کس
سے؟ تمہارے باپ دادا کوئی شرابی نہیں تھے ـ اور کون نہیں
جانتا کہ تمہاری اماں نے تو زندگی بھر کواس* کے علاوہ کبھی
کچھہ چکھا ھی نہیں ـ تم جانتے ھو اس کا ذمہ دار کون ھے؟
وھی ملعون موسیو وہ ھمیشہ دوڑ دوڑ کر مغلانی کے پاس جاتا
تھا: «مادام میں آپ سے درخواست کرتا ھوں مجھے وودکا دیجئے ـ»
اس کتے نے تمہیں خوب تعلیم دی ـ آخر مالک کو کیا ضرورت
تھی، کہ اس ملعون کو تمہارے لئے ملازم رکھیں؟ کیا ان کے
پاس کافی ملازم نہیں تھے!»

* روٹی سے بنایا ہوا خمیر شدہ شربت ـ (مترجم ـ)

میں بہت شرمندہ ہوا۔ میں نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا «ساویلچ دور ہو جاؤ، مجھے چائے نہیں چاہئے!» مگر ایک دفعہ ساویلچ وعظ دینا شروع کر دے تو اس سے چھٹکارا پانے کا کوئی راستہ نہیں۔ «پیوتر اندریئیچ، آپ کو معلوم ہے شراب نوشی آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ آپ کے سر میں درد ہو رہا ہے، بھوک غائب ہے۔ شرابی کسی کام کا نہیں رہتا... کھیرے کے نمکین پانی اور شہد کا ایک گلاس پی لیجئے اور بہتر تو یہ ہے کہ وودکا کا ایک جام پی کر اپنی حالت ٹھیک کر لیجئے۔ منگواؤں ایک جام؟»

اسی وقت ایک لڑکا زورین کے پاس سے میرے نام ایک پرچہ لے کر آیا۔ میں نے پرچہ کھول کر مندرجہ ذیل تحریر پڑھی۔

«پیارے پیوتر اندریئیچ۔ مہربانی سے اس لڑکے کے ساتھ وہ سو روبل بھیج دو جو رات تم مجھ سے ہارے تھے۔ مجھے روپے کی سخت ضرورت ہے۔

تمہارا وفادار دوست

ایوان زورین»

اب کوئی چارہ نہ تھا۔ میں نہایت بےپروائی سے ساویلچ کی طرف مڑا۔ «میرا روپیہ انہیں کے پاس تھا اور وہی میرے اخراجات کے نگراں تھے» (۳) اور میں نے ان سے کہا کہ وہ لڑکے کو سو روبل دے دیں۔ «کیوں؟ کس لئے؟» ساویلچ نے

انتہائی حیرت سے پوچھا۔ «میں اس کا قرضدار ہوں» میں نے بظاہر بےپروائی سے کہا۔ «قرضدار ہوں!» ساویلچ نے دوہرایا۔ ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ «مگر تمہیں قرض لینے کا موقع کب اور کہاں مل گیا؟ مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے۔ جناب آپ جو بھی کہیں روپیہ تو میں دوں گا نہیں۔»

اور میں نے سوچا اگر اس نازک موقع پر میں اس ضدی بڑھے سے دب گیا تو آئندہ بھی کبھی میں ان کی چوبیس گھنٹے کی سرپرستی سے چھٹکارا نہیں پا سکوں گا۔ لہذا میں نے بہت خفگی سے ان کی طرف دیکھا۔ «میں تمہارا آقا ہوں اور تم میرے ملازم۔ روپیہ میری ملکیت ہے۔ میری مرضی میں لٹاؤں یا رکھوں۔ اور میں تمہیں رائے دوں گا کہ زیادہ چالاکی کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تمہیں جو حکم دیا جائے بےچون و چرا اس پر عمل کرو۔»

میری باتیں سن کر ساویلچ کا دل بھر آیا، وہ ناامیدی سے اپنے ہاتھوں کو جھٹکے دینے لگے۔ «منہ پھاڑے کیا کھڑے ہوا» میں غصے میں چلایا۔ ساویلچ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ «میرے مالک پیوتر اندریئیچ۔» انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ «مجھے اس طرح ستا ستا کر تو نہ مارو! میرے نور نظر مجھ بوڑھے کی بات پر کان دھرو! اس بدمعاش کو لکھ دو کہ تم تو مذاق کر رہے تھے، اور تمہارے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے۔ ایک سو روبل! اے رحیم و کریم خدا! اس سے کہہ

دو کہ تمہارے ماں باپ کی بالکل اجازت نہیں ہے کہ تم پستے بادام سے زیادہ کسی چیز کی بازی لگاؤ۔» «بس بس بہت ہو چکا» میں نے سختی سے کہا۔ «سیدھے ہاتھہ سے روپیہ دو ورنہ میں تمہیں نکال باہر کروں گا!»

ساویلچ نے انتہائی افسوس سے مجھے دیکھا اور روپیہ لینے چلے گئے۔ مجھے بچارے بڑے میاں پر رحم آ رہا تھا۔ لیکن میں نے اڑے رہنے کا تہیہ کر لیا تھا، میں دکھا دینا چاہتا تھا کہ اب میں بچہ نہیں ہوں۔ زورین کو روپیہ بھیج دیا گیا۔ ساویلچ جلد سے جلد مجھے اس منحوس سرائے سے نکال لے جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے آ کر مجھے بتایا کہ گھوڑے تیار ہیں۔ اور جس وقت میں سمبرسک سے رخصت ہوا تو مجھے دل ہی دل میں سخت ندامت محسوس ہو رہی تھی، اور میرا ضمیر کچوکے لگا رہا تھا۔ میں اپنے استاد سے ملے بغیر ہی چلا آیا، مجھے امید تھی کہ اب کبھی میں ان سے نہیں ملوں گا۔

رہبر

اے دور و دراز زمین،
اے اجنبی زمین!
میں کبھی تیری تلاش میں نہیں پھرا۔
میرا تیز رو گھوڑا بھی مجھے تجھہ تک
نہیں لایا۔
جو چیز مجھے تیرے قریب لائی،
وہ ہے میرا لا ابالی پن،
میری ہمت میری جوانی،
اور میرا ذوق شراب نوشی۔

ایک قدیم گیت۔

راستے بھر، میں ناخوشگوار خیالات میں گھرا رہا۔ اس [illegible] کے لحاظ سے مجھے کافی نقصان ہوا تھا۔ اور دل ہی دل [illegible] میں یہ سوچنے پر مجبور تھا کہ سمبرسک کی سرائے میں، میں [illegible] کافی حماقتیں کی ہیں، اور مجھے اس کا احساس تھا کہ میں [illegible] ساویلچ کے ساتھہ بہت بدتمیزی کی ہے۔ اور اس خیال سے [illegible] سخت روحانی تکلیف ہو رہی تھی۔ بچارے بڑے میاں [illegible] افسردگی سے کوچوان کے قریب بیٹھے تھے۔ کبھی کبھی

ٹھنڈا سانس لینے کے علاوہ وہ بالکل خاموش تھے۔ میں ان سے
صلح کرنے کو بے تاب تھا، مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ
کیسے بات شروع کروں۔ آخرکار میں نے کہہ ہی ڈالا۔
«ساویلچ، آؤ! بس بہت ہو گیا۔ آؤ اب ہم صلح کر لیں۔
غلطی میری تھی — میں خود سمجھتا ہوں کہ میں نے غلطی کی۔
کل میں نے بہت حماقت کی ہے، مجھے تم سے اتنی سختی سے
بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔ میں وعدہ کرتا ہوں آئیندہ تمیز
سے رہوں گا اور ہمیشہ تمہارا کہنا مانوں گا۔ آئیے نا چلئے غصہ
تھوک دیجئے، آؤ اب صلح صفائی ہو جائے!»
«آہ، مالک، پیوتر اندریےیچ» انہوں نے گہرا سانس لے کر
کہا۔ «میں تو اپنے آپ سے خفا ہوں — یہ سب میری غلطی
تھی۔ مجھے کسی بھی حالت میں تمہیں سرائے میں تنہا نہ
چھوڑنا چاہئے تھا! آہ خدایا — آخر میں اس خواہش پر قابو نہ
پا سکا اور آخر میں نے یہی طے کیا کہ ذرا اپنی پرانی دوست،
پادری کی بیوی کے ہاں ہوتا آؤں۔ اور یہ دیکھو — اور ملتے
پھرو دوستوں سے مزہ چکھ لیا نا۔ کس قدر افسوس کی بات
ہے! اب میں مالک اور مالکن کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ وہ یہ سن کر
کیا کہیں گے کہ ان کا بیٹا شرابی اور جواری ہے؟»
غریب ساویلچ کو تسلی دینے کی غرض سے میں نے وعدہ
کیا کہ آئیندہ میں ساویلچ کی مرضی کے بغیر ایک پائی بھی
خرچ نہیں کروں گا۔ اور رفتہ رفتہ ان کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔
حالانکہ اب بھی وہ کبھی کبھی سر ہلا کر منہ ہی منہ میں
بڑبڑانے لگتے «ایک سو روبل! کوئی مذاق نہیں ہے!»

میں منزل کے قریب پہنچ رہا تھا۔ چاروں طرف بے رنگ
میدان پھیلے ہوئے تھے، یہاں وہاں کوئی کھائی یا کوئی ٹیلا
ان کی یکسانیت کو توڑ رہا تھا۔ ہر طرف برف ہی برف
تھا۔ اور سورج ڈوب رہا تھا۔ ہماری گاڑی ایک تنگ راستے
پر چلی جا رہی تھی، یا یوں سمجھئے کہ کسانوں کی گاڑیوں
کی آمد و رفت سے بنے ہوئے کچے راستے پر۔ یکبارگی کوچوان
نے گھبرا گھبرا کر ایک خاص سمت میں دیکھنا شروع کیا۔
آخرکار وہ میری طرف مڑا اور اپنی ٹوپی اتارتے ہوئے اس نے
مجھ سے کہا «جناب، ہم واپس لوٹ چلیں تو اچھا ہے!»
«کیوں؟»
«موسم بے حد خراب ہے — ہوا بڑھتی جا رہی ہے، ذرا
دیکھئے تازہ برف کے گالے کس طرح چاروں طرف اڑ رہے
ہیں۔»
«تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟»
«ذرا ادھر تو دیکھئے۔» (کوچوان نے چابک سے مشرق
کی طرف اشارہ کیا۔)
«مجھے تو برف سے ڈھکے میدانوں اور صاف شفاف آسمان
کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا۔»
«اس طرف، دیکھئے وہ بادل کا چھوٹا سا ٹکڑا!»
اب تو مجھے بھی افق پر سفید بادل کا چھوٹا سا ٹکڑا نظر
آیا جسے میں پہلے دور کہیں کوئی پہاڑی سمجھا تھا۔ کوچوان
نے مجھ سے کہا کہ یہ سب طوفان کے آثار ہیں۔

میں نے اس علاقے کے برفانی طوفانوں کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا — اور میں جانتا تھا کہ گاڑیوں کے پورے پورے کاروان برف میں دب جاتے ہیں — ساویلچ کوچوان کے ہم‌خیال تھے — انہوں نے مجھے صلاح دی کہ واپس چلنا چاہئے — لیکن مجھے تو ہوا کوئی خاص تیز معلوم نہیں ہو رہی تھی — اور میں نے سوچا کہ ہم کم از کم اگلی منزل تک تو پہنچ ہی جائیں گے — میں نے کوچوان سے کہا کہ گھوڑوں کو ایڑ لگائے —

اس نے گاڑی تیز کر دی، مگر وہ برابر بار بار مشرق کی طرف دیکھ رہا تھا — گھوڑے بڑی کوشش سے دوڑ رہے تھے — ہوا اور تیز و تند ہو گئی — بادل کے اس چھوٹے سے ٹکڑے نے پھیل کر پورے آسمان کو ڈھک لیا — ہلکا ہلکا برف پڑنے لگا، اور یکایک فضا برف کے بڑے بڑے گالوں سے بھر گئی — ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے، طوفان نے ہمیں گھیر لیا تھا — لمحے بھر کے اندر اندر سیاہ آسمان اور برف کا سمندر ایک ہو گئے — زمین کا کوئی پتہ نشان نہ رہا — «دیکھا آپ نے مالک!» کوچوان چیخ اٹھا — «دیکھ لیا طوفان —— ہماری موت قریب ہے!»

میں نے گاڑی کے پردے میں سے جھانک کر دیکھا — ہوا اس قدر تندی سے چل رہی تھی جیسے وہ کوئی جاندار شے ہو — جلد ہی میں اور ساویلچ برف سے ڈھک گئے — گھوڑے ایک قدم اور آگے بڑھے اور رک گئے —

«آگے کیوں نہیں بڑھتے؟» میں نے بےچینی کے ساتھ کوچوان سے پوچھا — «کیا فائدہ» اس نے جواب دیا — اور اپنی

جگہ سے نیچے اتر گیا — «مجھے تو یہ بھی اندازہ نہیں ہے کہ ہم ہیں کہاں — سڑک کا نام و نشان نہیں — اور گھپ اندھیرا چھایا ہوا ہے —» میں نے اسے سخت سست کہنا شروع کر دیا مگر ساویلچ اس کی طرف داری کر رہا تھا — «تم نے پہلے ہی اس کی بات کیوں نہیں سنی؟» اس نے خفگی سے کہا — «ہم سرائے واپس جا سکتے تھے، گرم گرم چائے پیتے، صبح تک آرام سے سوتے اور طوفان تھمتے ہی پھر سفر پر روانہ ہو جاتے — اور پھر ایسی جلدی بھی کیا تھی — کیوں؟ ہم کسی شادی بیاہ میں تو جا نہیں رہے تھے —» ساویلچ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا — ہم مصیبت میں گھر گئے تھے — برف اور بھی زیادہ تیزی سے پڑ رہا تھا — گاڑی کے قریب برف کا ڈھیر لگ گیا — گھوڑے سر نہوڑائے کھڑے تھے، اور بار بار وہ گھبرا گھبرا کر چونک اٹھتے — کوچوان محض کچھ کرنے کی خاطر ان کے گرد گھوم گھوم کر لگام ٹھیک کر رہا تھا — ساویلچ نجانے کیا بڑبڑا رہا تھا، اور میں زندگی کا کوئی ہلکا سا نشان یا سڑک کے آثار ڈھونڈ نکالنے کی امید میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا — لیکن مجھے چکر کھاتی ہوئی طوفانی ہواؤں کے سوا کچھ نظر نہ آیا — اور یکبارگی میری نگاہیں کسی سیاہ سی چیز پر جم گئیں — «اے کوچوان ہو... و... و!» میں چلایا — «دیکھو ادھر وہ کالی کالی سی کیا چیز ہے؟» کوچوان نے غور سے اس طرف دیکھا جدھر میں نے اشارہ کیا تھا — «خدا جانے مالک کیا ہے» اس نے اپنی جگہ پر واپس آتے ہوئے کہا — «کوئی گاڑی یا

درخت تو معلوم نہیں ہوتا ۔ اور کچھ ہلتا سا دکھائی دے رہا
ہے ۔ یا تو کوئی بھیڑیا ہوگا یا آدمی ۔»
میں نے کوچوان سے اس انجانی چیز کی سمت میں چلنے
کو کہا ۔ یہ چیز خود اب ہماری سمت میں بڑھ رہی تھی ۔
ایک دو لمحے میں ہم ایک انسان کے قریب کھڑے تھے ۔
«اے... ہے... ے... ے بھائی صاحب» کوچوان نے آواز لگائی ۔
«تمہیں معلوم ہے سڑک کس طرف کو ہے؟»
«سڑک یہیں ہے، میں پکی زمین پر کھڑا ہوں» راہ‌گیر نے
جواب دیا ۔ «مگر اس سے کیا فائدہ؟»
«بات سنو بھائی» میں نے اس سے کہا ۔ «کیا تم اس علاقے
سے واقف ہو؟ تم ہمیں کسی ایسی جگہ کا پتہ بتا سکتے ہو جہاں
ہم رات گزار سکیں؟»
«میں اس علاقے کے کونے کونے سے واقف ہوں» راہ گیر
نے جواب دیا ۔ «ظاہر ہے مجھے اس علاقے سے واقفیت نہ ہوگی
تو کس کو ہوگی ۔ میں نے نجانے کتنی بار پیدل اور گھوڑے
پر اس علاقے کی خاک چھانی ہے ۔ لیکن ذرا موسم کا رنگ
بھی تو دیکھئے! ایسی حالت میں راہ سے بھٹک جانے کا کتنا
خطرہ ہے ۔ بہتر ہے کہ آپ جہاں ہیں وہیں انتظار کیجئے ۔
ظاہر ہے طوفان گزر جائےگا اور آسمان کھل جائےگا تو ہم
ستاروں کی مدد سے راستہ ڈھونڈ نکالیں‌گے ۔»
اس کا سکون اور اطمینان دیکھ‌کر میری بھی کچھ ہمت
بندھی ۔ میں نے سوچا کہ خدا کے رحم و کرم پر بھروسہ کر کے
رات انہیں صحراؤں میں گزار دیں کہ یکایک راہ‌گیر انتہائی

پھرتی سے کوچوان کے قریب کی نشست پر بیٹھ گیا اور اس
نے ہمارے کوچوان سے کہا «خدا کا شکر ہے کہ یہاں قریب ہی
ایک مکان موجود ہے ۔ سیدھے ہاتھ کو مڑ کر آگے بڑھے چلو ۔»
«واہ، میں کیوں مڑوں ادھر؟» کوچوان نے خفگی سے پوچھا ۔
«سامنے سڑک کا کوئی پتہ نشان بھی ہے؟ یہ کہہ دینا بہت
آسان ہے بڑھے چلو! ظاہر ہے دوسرے کے گھوڑے گاڑی میں
تم جدھر منہ اٹھے چلوگے، تمہیں تھوڑی نقصان بھگتنا پڑے‌گا!»
اور میں نے سوچا کہ کوچوان ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے ۔ «سچ
تو ہے تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ یہاں قریب ہی کوئی مکان
ہے؟» میں نے پوچھا ۔ «کیوں‌کہ اس سمت سے ہوا کے ساتھ
دھوئیں کی بو آ رہی ہے» مسافر نے جواب دیا ۔ «اور اس لئے
قریب ہی کہیں کوئی گاؤں موجود ہے ۔» اس کی تیزی اور
شدید حساس طبیعت دیکھ کر میں بھونچکا رہ گیا ۔ اور میں
[illegible] کوچوان کو بڑھنے کا حکم دیا ۔ گھوڑے بڑی مشکل سے
[illegible] کی موٹی تہہ میں گھسٹ رہے تھے ۔ گاڑی بہت آہستہ
آہستہ برف کے ڈھیر سے گزرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی ۔
[illegible] سمندر میں ڈولتے ہوئے جہاز کی طرح ڈگمگا رہی تھی،
اور [illegible] بار کھائیوں میں گرتے گرتے بچی ۔ ساویلچ برابر مجھ
[illegible] رہا تھا، اس کی بڑبڑاہٹ جاری تھی ۔ میں نے گاڑی
[illegible] کھینچ لئے اور اپنے سمور کے کوٹ کو اچھی طرح
[illegible] اور طوفانی سیٹیوں کی لوری سنتے سنتے، اس سست
[illegible] ہلکوروں میں اونگھ گیا ۔

میں نے سوتے سوتے ایک خواب دیکھا، جسے میں زندگی
بھر نہ بھلا سکوں گا۔ اور جب میں اسے اپنی زندگی کے عجیب
و غریب حالات کی روشنی میں دیکھتا ہوں تو آج بھی یہ سمجھنے
پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ وہ خواب نہیں تھا، وہ تو الہام تھا
الہام۔ آپ اپنے تجربے سے یہ سمجھتے ہوئے مجھے معاف کر
دیں گے کہ آدمی چاہے توہمات سے کتنی نفرت کرتا ہو، لیکن
وہ کس آسانی سے ان کا شکار ہو جاتا ہے۔

میں اس ذہنی اور جسمانی حالت میں تھا جب خواب حقیقت
پر چھا جاتے ہیں اور نیند کے پہلے جھونکے میں صرف دھندلے
دھندلے نقوش ذہن پر رہ جاتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ طوفان
کی گھن گرج ابھی تک جاری ہے، اور ہماری گاڑی ابھی تک
برف سے ڈھکے ہوئے صحراؤں میں بھٹک رہی ہے... یکایک
مجھے اپنے سامنے ایک پھاٹک نظر آیا۔ ہم احاطے میں داخل
ہو گئے۔ اور میری گاڑی میری جاگیر کے مکان کے سامنے کھڑی
تھی۔ میرے ذہن میں بجلی کی طرح یہ خیال کوند گیا کہ میرے
ابا اس مجبوری کی حالت میں میرے واپس آنے پر خفا ہوں گے،
وہ سمجھیں گے کہ میں نے جان بوجھ کر ان کے حکم کی خلاف
ورزی کی ہے۔ میں گھبراہٹ کے عالم میں گاڑی سے کود پڑا،
اور میں نے دیکھا کہ میری اماں بہت ہی افسردہ اور ملول،
میری طرف آ رہی ہیں۔ «خاموش!» انہوں نے مجھ سے کہا۔
«تمہارے باپ بہت بیمار ہیں۔ وہ دوچار گھڑی کے مہمان ہیں۔
وہ آخری دفعہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔» خوف و دہشت سے

کانپتا ہوا میں ان کے پیچھے پیچھے ایک ایسے کمرے میں پہنچا
جس میں بہت مدھم روشنی تھی۔ پلنگ کے ارد گرد مرد عورتیں
کھڑی تھیں، جن کے چہروں پر غم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔
میں بہت آہستہ سے پلنگ کے قریب پہنچا۔ میری اماں نے
مچھردانی کا کونہ اٹھاتے ہوئے کہا: «اندری پیتروویچ دیکھو
پیتروشا آ گیا۔ وہ تمہاری بیماری کی خبر سن کر واپس آ گیا۔
اٹھو، اس کے سر پر ہاتھ رکھو۔» میں دوزانو بیٹھ کر مریض
کی طرف دیکھنے لگا۔ مگر میں نے کیا دیکھا؟ میرے ابا کے
بجائے پلنگ پر ایک سیاہ ریش کسان لیٹا ہوا بڑی خوشی
و مسرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں گھبرا کر اپنی
اماں کی طرف مڑا۔ «اس کا کیا مطلب ہے؟» میں نے ان سے
پوچھا۔ «یہ شخص میرا باپ نہیں ہے۔ بھلا میں اس کسان کی
دعائیں کیوں لوں؟» «گھبراؤ نہیں پیتروشا» میری اماں نے جواب
دیا۔ «شادی کے وقت وہ تمہارے باپ کی جگہ ہوں گے۔ ان کے
ہاتھ کو بوسہ دو اور انہیں دعائیں دینے دو۔» میں کسی حالت
میں اس پر تیار نہیں تھا۔ یکایک وہ کسان پلنگ سے کود
پڑا۔ اس نے کہیں اپنے پیچھے سے ایک کلہاڑی نکالی اور چاروں
طرف گھمانے لگا۔ میں نے بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر میرے
پاؤں من من بھر کے ہو گئے۔ کمرہ لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ میں
لاشوں سے ٹکرا گیا۔ اور میرا پاؤں خون کے تالاب میں پھسل
گیا۔ اس خوفناک کسان نے بہت پیار سے مجھے پکارا۔ «ڈرو
نہیں، میرے پاس آؤ، میں تمہیں دعا دوں گا۔» مجھے خوف و حیرت

کے ملے جلے جذبات نے گھیر لیا۔ اسی لمحے میری آنکھ کھل گئی۔ گھوڑے خاموش کھڑے تھے۔ ساویلچ مجھے ٹھوکا دے رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے۔ «اتریئے جناب۔ ہم پہنچ گئے۔»

«پہنچ گئے؟ کہاں؟» میں نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

«سرائے میں۔ خدا کی مہربانی تھی کہ ہم سیدھے احاطے سے آ کر ٹکرا گئے۔ اتریئے، جلدی کیجئے، آئیے اندر آ کر ہاتھ پاؤں گرم کر لیجئے۔»

میں گاڑی سے اترا۔ طوفان ابھی تک چنگھاڑ رہا تھا مگر اب پہلا سا زور باقی نہ تھا۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔ سرائے کا مالک ہمیں دروازے پر ملا۔ اس نے اپنے کوٹ میں لالٹین چھپا رکھی تھی، وہ مجھے ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گیا۔ کمرہ بہت تنگ مگر خاصا صاف ستھرا تھا۔ صرف ایک مشعل کمرے کو روشن کر رہی تھی۔ دیوار پر ایک رائیفل اور سمور کی اونچی سی ٹوپی لٹکی ہوئی تھی۔

سرائے کا مالک، جو یائیک قضاق تھا، تقریباً ساٹھ سال کا تندرست و توانا اور پھرتیلا انسان ہوگا۔ میرے پیچھے پیچھے چائے کے سامان کا ڈبا اٹھائے ہوئے ساویلچ کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے روشنی کرنے کو کہا۔ تاکہ وہ چائے بنانا شروع کر دیں جس کی مجھے اس وقت اتنی خواہش ہو رہی تھی، جتنی کبھی زندگی بھر نہ ہوئی ہوگی۔ سرائے کا نگہبان انتظامات کرنے چلا گیا۔

«ہمارا رہبر کہاں ہے؟» میں نے ساویلچ سے پوچھا۔

«ادھر، جناب عالی» میرے سر کے اوپر سے آواز آئی۔ میں نے منہ اٹھاکر دیوار سے نکلے ہوئے ایک چھجے کی طرف دیکھا اور مجھے ایک سیاہ داڑھی اور دو چمکدار آنکھیں نظر آئیں۔ «تمہیں ٹھنڈ لگ رہی ہوگی بھائی؟» میں نے کہا۔ «ظاہر ہے، اس پھٹے پرانے اور پتلے سے کوٹ میں سردی نہ لگے تو کیا گرمی لگے؟» اس نے جواب دیا۔ «میرے پاس بھیڑ کی کھال کا کوٹ تھا، مگر سچ تو یہ ہے کہ کل رات میں نے اسے شراب خانے میں گروی رکھ دیا ــــ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ سردی یہ رنگ لائے گی۔» اسی وقت سرائے کا مالک کھولتا ہوا سماوار لئے ہوئے کمرے میں آیا۔ میں نے اپنے رہبر کو ایک پیالی چائے پیش کی۔ وہ چھجے سے نیچے اترا۔ اس کا حلیہ مجھے کچھ انوکھا سا معلوم ہوا۔ چہرے مہرے سے وہ تقریباً چالیس سال کا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کا قد درمیانہ تھا، بدن اکہرا اور شانے چوڑے چکلے۔ اس کی سیاہ داڑھی میں کہیں کہیں سفید بال جھانک رہے تھے، اور اس کی بڑی بڑی آنکھیں، جو بہت ہی جاندار تھیں، مستقل تھرک رہی تھیں۔ اس کے چہرے میں دلکشی بھی تھی اور بدمعاشی بھی۔ اس کے بال قضاقوں کی طرح سے کٹے ہوئے تھے۔ وہ پھٹا پرانا اونی چغہ اور تاتار وضع کی برجس پہنے ہوئے تھا۔ میں نے اس کی طرف چائے کی پیالی بڑھائی، اس نے ایک گھونٹ پیا، اور بہت برا سا منہ بنایا۔ «اتنی مہربانی کیجئے، جناب عالی، اس سے کہئے میرے لئے تو ودکا کا ایک جام لا دے، چائے قضاقوں کے پینے کی چیز

نہیں ہے۔» میں نے فوراً اس کی خواہش پوری کی۔ سرائے کے مالک نے الماری سے ایک جام اور بوتل اٹھائی اور اس کے قریب پہنچ کر غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ «آہا» اس نے کہا۔ «تو تم پھر ہمارے علاقے میں پہنچ لئے! کہو کیسے آنا ہوا؟» میرے رہبر نے بہت پرمعنی انداز میں آنکھ ماری اور پہیلوں میں جواب دیا۔ «میں ترکاریوں کے کھیت میں مارا مارا پھرتا رہا۔ اور سن کے بیج جمع کرتا رہا۔ دادی نے میری طرف پتھر پھینکا، لیکن ان کا نشانہ خالی گیا! ہوں، اور تمہارے ساتھیوں کا کیا حال چال ہے؟»

«ہمارے ساتھی؟» اس نے بھی اشاروں کنایوں میں دہرایا، «عبادت کے لئے گھنٹہ بجانے کا وقت آ گیا ہے لیکن پادری کی بیوی کسی طرح بجانے ہی نہیں دیتی۔ پادری باہر گیا ہوا ہے اور اس شیطان کی حکمرانی ہے۔» «بڑے میاں خاموش!» میرے آوارہ گرد رہنما نے کہا «جہاں پانی برسے گا وہاں سانپ کی چھتریاں ضرور ہوں گی، اور جہاں سانپ کی چھتریاں ہوں گی وہاں ان کے لئے ٹوکریاں بھی ضرور جمع ہو جائیں گی۔ اور اب (اس نے پھر آنکھ ماری) اپنی کلہاڑی کمر سے باندھ لو، جنگل کا رکھوالا قریب ہے۔ جناب والی، آپ کا جام صحت!» یہ کہتے کہتے اس نے جام اٹھایا، اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور ایک ہی گھونٹ میں سب کچھ چڑھا گیا۔ میرے سامنے تعظیماً جھکا اور اپنی پرانی جگہ آرام کرنے چلا گیا۔

اس وقت میں رہزنوں کی اس خفیہ بولی کا مطلب نہ سمجھ

سکا۔ بعد میں، مجھے جیسے الہام سا ہوا کہ وہ یائیک دستوں کے معاملات کے بارے میں باتیں کر رہے تھے، یہ قصہ حال ہی میں، ۱۷۷۲ء میں ان دستوں کی بغاوت کو دبا کر پاک کیا گیا ہے۔ ساویلچ بہت بےچینی اور بےاطمینانی سے یہ گفتگو سن رہا تھا، وہ بہت مشتبہ نظروں سے کبھی سرائے کے مالک کو دیکھتا کبھی ہمارے رہنما کو۔ یہ سرائے، جس کا مقامی نام «اومیت» تھا، سڑک سے بہت دور، اور انسانی آبادی سے الگ تھلگ صحرا کے بیچوں بیچ کھڑی تھی، اور ہو سکتا ہے کہ ڈاکوؤں کا اڈا ہو۔ لیکن ہمارے پاس کوئی راستہ نہ تھا، سفر جاری رکھنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ مجھے ساویلچ کی بےچینی اور بےاطمینانی دیکھ کر بہت لطف آ رہا تھا۔ جہاں تک میرا سوال ہے، تو میں نے تو جہاں تھا وہیں رات گزارنے کی ٹھان لی اور ایک بنچ پر پاؤں پھیلا دئے۔ ساویلچ سونے کے لئے چولہے کے اوپر پتھر پر چڑھ گئے۔ سرائے کا نگہبان زمین پر دراز ہو گیا۔ بہت جلد کمرا خراٹوں سے گونج رہا تھا۔ اور میں تو نیند میں بالکل بےہوش ہو گیا۔

اگلے دن صبح کو ذرا دیر سے اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ طوفان گزر چکا ہے۔ سورج چمک رہا ہے۔ ان لا محدود صحراؤں پر برف کا جھلملاتا ہوا قالین بچھا ہوا تھا۔ گھوڑے جوتے جا چکے تھے۔ میں نے سرائے کے نگہبان کا حساب صاف کیا، اس نے ہم سے اس قدر کم معاوضہ مانگا کہ ساویلچ نے بھی خلاف معمول نہ اس پر کوئی احتجاج کیا نہ مول تول کیا، بلکہ

ان کے ذہن سے گذشتہ رات کے تمام شبہے بھی مٹ گئے۔ میں نے اپنے راہبر کو بلایا، اس کی مدد کے لئے اس کا شکریہ ادا کیا اور ساویلچ سے کہا کہ وہ شراب کے لئے اسے پچاس کوپک دے دیں۔ ساویلچ کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ «وودکا کے لئے پچاس کوپک!» انہوں نے کہا۔ «مگر کس لئے؟ اس لئے کہ ہم نے رحم کھا کر اپنی گاڑی میں اسے سرائے تک پہنچا دیا۔ تم جو بھی کہو، مگر ہمارے پاس یوں برباد کرنے کو پچاس کوپک نہیں ہیں۔ اگر آپ یوں ہر ایرے غیرے کو شراب کے لئے پچاس کوپک دیتے رہے تو بہت جلد ہمیں خود دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے گا۔» میں ساویلچ سے بحث نہیں کر سکتا تھا۔ میں وعدہ کر چکا تھا کہ روپیہ بالکل ان کے ہاتھ میں رہے گا۔ لیکن مجھے اسکی بے حد الجھن تھی کہ میں ایک ایسے شخص کا شکریہ نہیں ادا کر سکتا، جس نے اگر مکمل تباہی اور بربادی سے نہیں تو کم از کم سخت مشکل وقت میں میری جان بچائی تھی۔ «بہت اچھا» میں نے نہایت پرسکون لہجے میں کہا۔ «اگر تم اسے پچاس کوپک نہیں دینا چاہتے، تو اسے پہننے کے لئے کم از کم میرا کوئی کپڑا ہی دے دو۔ وہ بہت کم کپڑے میں ہے۔ اسے میرا خرگوش کی کھال کا کوٹ دے دو۔»

«ہائیں، پیوتر اندریے یچ، مالک!» ساویلچ نے کہا۔ «وہ اس کا کیا کرے گا؟ کمینہ اسے اگلے شراب خانے میں ایک گھونٹ شراب کی خاطر بیچ ڈالے گا۔»

«اے بڈھے کھوسٹ تمہیں اس سے کیا مطلب، میں چاہے اسے شراب کے ایک گھونٹ کے لئے بیچوں چاہے کچھ کروں» میرے لفنگے رہبر نے کہا۔ «جناب عالی مجھے اپنے جسم پر سے اتار کر کوٹ دینا چاہتے ہیں، ان کی یہی خواہش ہے، تم ان کے غلام ہو، تمہارا فرض ہے کہ ان کا حکم بجا لاؤ، نہ یہ کہ ان سے بحث کرو!»

«تمہیں شرم نہیں آتی بدمعاش؟» ساویلچ غصے میں چلانے لگے۔ «کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ بچہ ابھی نا سمجھ ہے، تم اس کا بھولپن دیکھ کر اسے لوٹنا چاہتے ہو۔ تم کسی بڑے آدمی کا کوٹ لے کر کیا کروگے؟ تم کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرو، تمہارے بھدے کندھے اس میں گھس ہی نہیں سکتے۔»

«بحث بند کرو» میں نے اپنے بوڑھے اتالیق سے کہا۔ «جاؤ، جا کر کوٹ لاؤ۔»

«یا خدا» میرے ساویلچ کراہ اٹھے۔ «خرگوش کی کھال کا کوٹ تو تقریباً بالکل نیا ہے، ذرا سوچو، وہ ایک ننگے شرابی کو مل جائے!»

مگر خرگوش کی کھال کا کوٹ آ گیا۔ کسان نے اسی لمحے وہیں کھڑے کھڑے اسے پہننے کی کوشش کی مگر جو کوٹ، میرے بھی ذرا تنگ ہو گیا تھا، اس کے یقیناً بہت چھوٹا تھا۔ لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح ٹھنسا ہی لیا، البتہ اس کی سلائیاں ذرا ادھڑ گئیں۔ ساویلچ سیونوں کو ادھڑتے دیکھ کر تڑپ گئے۔ وہ لفنگا میرے تحفے سے بے حد خوش

تھا۔ وہ گاڑی تک میرے ساتھ آیا، اور اس نے زمین بوس ہوتے ہوئے کہا «شکریہ جناب عالی! خدا آپ کو ان نیکیوں کا اجر دے۔ میں مرتے دم تک آپ کی مہربانیوں کو یاد رکھوں گا۔» وہ اپنے راستے پر چل دیا، اور میں ساویلچ کے رنج و افسردگی سے بے پرواہ اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ اور بہت جلد گذشتہ دن کے طوفان، اپنے رہبر اور خرگوش کی کھال کے کوٹ کو بھول گیا۔

اورن‌برگ پہنچتے ہی میں سیدھا جنرل کے پاس پہنچا۔ میں ایک دراز قد آدمی سے ملا۔ عمر کی وجہ سے ان کی کمرجھک گئی تھی۔ ان کے دراز گیسو بالکل سفید تھے۔ ان کا پرانا اور بے رنگ فوجی لباس ملکہ آننا اوھانوونا کے زمانے کے سپاہیوں کی یاد تازہ کر رہا تھا۔ وہ انتہائی جرمن لہجے میں بول رہے تھے۔ میں نے انہیں اپنے ابا کا خط دیا۔ ابا کا نام سنتے ہی انہوں نے تیزی سے میری طرف دیکھا۔ «میرے خدا» انہوں نے کہا۔ «ابھی کل کی بات معلوم ہوتی ہے، جب اندری پیتروورچ تمہاری عمر کا تھا۔ اور اب دیکھو تم اچھے خاصے جوان ہو! کیسے پلک جھپکتے وقت گزرتا ہے!» انہوں نے لفافہ چاک کیا اور منہ ہی منہ میں خط پڑھنا شروع کیا۔ ساتھ ساتھ وہ خط کے مضمون پر تبصرہ بھی کرتے جا رہے تھے۔ «میرے پیارے اندری کارلووچ، امید ہے جناب عالی،... آف خدا، اس قدر غیریت! آہ اسے شرم آنی چاہئیے! نظم و نسق کی اہمیت اپنی جگہ سہی، لیکن کیا پرانے ساتھی کو اس طرح مخاطب

کیا جاتا ہے؟.. «جناب عالی آپ کو یاد ہوگا،... ہو۔ و۔ ن «اور جب مرحوم فیلڈمارشل میں... مہم... اور کارولینکا...، واہ بھائی! اسے اب تک ہماری پرانی شرارتیں یاد ہیں۔ «اچھا اب کچھ کام کی بات ہو جائے۔ میں اپنے اس فتنے کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں...، ہوں... «اس کی خاردار کوڑے سے خبر لیتے رہئیے گا...، خاردار کوڑے؟» انہوں نے میری طرف مڑتے ہوئے کہا۔ «اس کا کیا مطلب ہے؟ غالباً یہ کوئی روسی کہاوت ہے؟»

«اس کا مطلب ہے» میں نے نہایت معصومیت سے جواب دیا «کہ آپ کو میرے ساتھ مہربانی سے پیش آنا چاہئیے۔ بہت سختی نہ کرنی چاہئیے، مجھے مکمل آزادی دیجئیے اور خاردار کوڑے سے خبر لیجئیے۔»

«ہوں۔ میں سمجھا... «اور اسے بہت زیادہ آزادی نہ دینا...، نہیں، خاردار کوڑے کا یہ مطلب نہیں ہے جو تم نے بتایا... «اور یہ لو اس کا پاسپورٹ سنبھالو...، کہاں ہے؟ ہاں یہ ہے! «سیمیونوف رجمنٹ کو لکھ دو...، اچھا، اچھا، ٹھیک ہے، ایسا ہی کیا جائیگا۔ «لاؤ میں تمہارے رتبے کو بھول کر، ایک پرانے ساتھی اور دوست کی طرح تمہیں گلے سے لگا لوں،۔ آہ آخرکار... اور وغیرہ وغیرہ... اچھا، جناب۔» انہوں نے خط ختم کیا اور میرا پاسپورٹ الگ رکھتے ہوئے مجھ سے کہا۔ «ایسا ہی کیا جائیگا۔ تمہیں «خ» رجمنٹ میں افسر کا رتبہ دیا جائیگا۔ تمہارا وقت برباد نہیں ہوگا۔ تمہیں کل ہی بیلوگورسک قلعے میں بھیج دیا جائیگا، جہاں تم کپتان میرونوف

کی ماتحتی میں کام کروگے، جو ایک قابل اور شریف آدمی ہیں۔ وہاں تم صحیح معنوں میں کام کر سکوگے اور فوجی نظم و نسق کا مطلب سمجھوگے۔ اورن‌برگ میں تو تمہارے قابل کوئی کام نہیں ہے۔ اور نوجوانوں کے لئے بیکاری سے بدتر کچھ نہیں۔ آج میں کھانے پر تمہارا انتظار کروں گا۔»

حالات بد سے بدتر ہو گئے! میں نے سوچا کہ پیدائش سے پہلے ہی گارد دستے میں سارجنٹ بھرتی ہو جانے سے مجھے کیا فائدہ ہوا؟ اس نے مجھے کہاں لا دھکیلا؟ کرغیز کزاخ صحراؤں کے کنارے ایک دوردراز قلعے کی رجمنٹ میں! رات کا کھانا میں نے اندری کارلووچ کے ساتھ کھایا۔ میز پر ہم تین آدمی تھے۔ خود وہ، ان کا بوڑھا ایڈی‌کانگ اور میں۔ دستر خوان پر جرمن کفایت شعاری کا دور دورہ تھا۔ اور میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اتنی جلدی محافظ فوج میں بھیجنے میں اپنی خالی خولی میز پر ایک نئے مہمان کو دعوت دینے کے خوف کا کتنا ہاتھ تھا۔ اگلے دن جنرل سے رخصت ہو کر میں اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔

تیسرا باب

قلعہ

ہمارے قلعے میں لق و دق اور بنجر میدان ہیں،
ہمیں روٹی اور پانی کے بھی لا لے ہیں۔
لیکن اگر ہمارا دشمن خوشیوں کی تلاش میں آیا
تو گھبراؤ مت! ہم ان کی دعوت کریں گے!
گولہ‌بارود سے اور گولیوں اور بموں سے۔
ہم ان کی دعوت کریں گے، اور خوب کریں گے۔

سپاهیوں کا گیت

«اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ!»

غبی

بیلوگورسک کا قلعہ اورن‌برگ سے چالیس ورسٹ کے فاصلے پر تھا۔ دریائے یائیک کے ڈھلواں کنارے کے ساتھ ساتھ سڑک چلی گئی تھی۔ دریا ابھی تک منجمد نہیں ہوا تھا، اور برف سے ڈھکے ہوئے بے‌رنگ کناروں کے درمیان اس کی بوجھل لہریں سیاہ اور غمناک معلوم ہو رہی تھیں۔ دریا کے دونوں طرف

دور دور تک صحرائے کرغیز پھیلا ہوا تھا۔ میں اداس خیالات کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔ قلعے کی فوجی زندگی میں میرے لئے کوئی کشش نہ تھی۔ میں نے اپنے ذہن میں اپنے آئیندہ افسر کپتان میرونوف کی تصویر کھینچنے کی کوشش کی۔ میرے تصور میں ایک سخت‌گیر اور بد مزاج بوڑھے کی تصویر ابھری، جیسے ضابطے اور قوانین کے سوا کچھہ نہیں چاھئے۔ اور جو چھوٹی سے چھوٹی غلطی پر مجھے قید کر سکتا ہو، اور صرف روٹی پانی پر ڈال سکتا ہو۔ شام کا دھندلکا بڑھہ رہا تھا۔ ہم خاصی تیزی سے آگے بڑھہ رہے تھے۔ «کیا قلعہ ابھی دور ہے؟» میں نے کوچوان سے پوچھا۔ «زیادہ دور نہیں ہے» اس نے جواب دیا۔ «بس ذرا کی ذرا میں نظر آنے لگےگا۔ وہ سامنے ہے۔» میں نے بڑے بڑے گنبد، مینار، توپوں کے لئے برج اور مورچے دیکھنے کی امید میں اپنے چاروں طرف دیکھا، لیکن لکڑی کی چند عمارتوں کے جھنڈ کے سوا جس کے چاروں طرف لکڑی کا احاطہ کھڑا ہوا تھا، مجھے کچھہ بھی نظر نہ آیا۔ سڑک کے ایک طرف گھاس کے تین چار ڈھیر برف سے آدھے ڈھکے پڑے تھے۔ اور دوسری طرف ایک ٹوٹی پھوٹی چکی تھی جس کے پر کا ایک حصہ ٹوٹ‌کر بےکار لٹک رہا تھا۔ «مگر قلعہ کہاں ہے؟» میں نے حیرت سے پوچھا۔ «یہ رہا» کوچوان نے اس بستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا، جس میں ہم اس وقت داخل ہو رہے تھے۔ پھاٹک پر مجھے ایک قدیم فولادی توپ نظر آئی۔ گلیاں بہت تنگ اور ٹیڑھی

ترچھی تھیں، اور گھر بہت نیچے تھے، اور ان سب پر پھونس کی چھت پڑی تھی۔ میں نے کوچوان کو قلعے کے حاکم کے گھر چلنے کا حکم دیا۔ اور ایک لمحے بعد گاڑی لکڑی کے ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے کھڑی تھی، جو لکڑی ھی کے گرجا گھر کے قریب ایک بلند مقام پر واقع تھا۔

کوئی شخص میرے استقبال کو نہیں آیا۔ میں برساتی میں گیا، اور میں نے غلام گردش کا دروازہ کھولا۔ میز پر ایک بوڑھا سپاھی بیٹھا ہوا گہرے سبز رنگ کے فوجی لباس میں نیلا پیوند لگا رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میری آمد کی اطلاع کر دو۔ «آپ اندر جا سکتے ھیں جناب» اس نے جواب دیا۔ «سب لوگ گھر پر ھی ھیں۔» میں ایک چھوٹے سے صاف ستھرے کمرے میں پہنچا جو پرانے طرز پر سجا ہوا تھا۔ کونے میں برتنوں کی الماری رکھی ہوئی تھی، اور دیوار پر چمک دار فریم میں جڑی ہوئی کسی افسر کی سند لٹکی ہوئی تھی اور اس کے قریب چند بھدی تصویریں — «کسترن اور اوچاکوف پر یلغار»، «دلہن کا انتخاب» اور «بلی کا جنازہ»۔ کھڑکی کے قریب ایک ضعیف خاتون بیٹھی تھیں۔ وہ روئی کی کمری پہنے ہوئے تھیں اور سر پر رومال بندھا تھا۔ وہ اون کا گولا بنا رہی تھیں، ایک کانا بڈھا جو فوجی لباس پہنے ہوئے تھا، اپنے پھیلے ہوئے ھاتھوں میں اون تھامے ہوئے تھا۔ «کہئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟» بوڑھی خاتون نے اپنا کام جاری رکھتے ہوئے مجھہ سے پوچھا۔ میں نے بتایا کہ میں

فوج میں کام کرنے آیا ھوں اور یہ میرا فرض تھا کہ میں کپتان کو اپنے آنیکی اطلاع کر دوں۔ یہ کہتے ھوئے اس کانے شخص کی طرف مڑا جسے میں اب تک قلعہ کا حاکم سمجھ رھا تھا۔ لیکن خاتون خانہ نے میری تقریر بیچ ھی میں روک دی، جو میں نے بہت پہلے سے تیار کر رکھی تھی۔ «ایوان کوزمیچ باھر گئے ھوئے ھیں» انہوں نے کہا۔ «وہ فادر گراسیم سے ملنے گئے ھیں، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جناب، میں ان کی بیوی ھوں، آپ سے مل کر بہت خوشی ھوئی۔ تشریف رکھئیے۔» انہوں نے ایک ملازم لڑکی کو آواز دی اور سارجنٹ کو بلانے کا حکم دیا۔ بوڑھا شخص نہایت تجسس کے ساتھ مجھے اپنی اکلوتی آنکھ سے دیکھ رھا تھا۔ «کیا میں پوچھ سکتا ھوں کہ آپ کس رجمنٹ میں تھے؟» اس نے پوچھا۔ میں نے اسے مناسب جواب دے دیا۔ «اور کیا میں پوچھ سکتا ھوں» اس نے سوالات کی بوچھار جاری رکھی «کہ آپ گارددستے سے قلعے کی فوج میں کیوں بھیج دئے گئے؟» میں نے جواب دیا کہ میرے حکام کی یہی رائے تھی۔ «میرے خیال میں آپ کی حرکتیں گارد دستے کے افسر کے شایان شان نہ ھوں گی» اس لیچڑ شخص نے پوچھا۔ «بس بہت ھو چکا، کیا بچوں کی سی باتیں کر رھے ھو» کپتان کی بیوی نے کہا۔ «کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ وہ سفر کی وجہ سے تھکا ھوا ھے — ذرا اسے آرام کرنے دو۔ (ذرا اونچے رکھو اپنے ھاتھ، ھاں ایسے!) اور آپ» وہ پھر مجھ سے مخاطب ھوئیں۔ «اتنی دوردراز جگہ بھیج دئے جانے سے افسردہ نہ ھوئیے۔

آپ کوئی پہلے شخص تو ھیں نہیں، اور آخری بھی نہیں ھوں گے۔ ایک دفعہ آپ اس جگہ کے عادی ھو جائیں گے تو یہی جگہ آپکو بھلی لگنے لگے گی۔ تقریباً چار سال پہلے الکسی ایوانووچ شوابرن بھی کسی شخص کو قتل کرنے کے جرم میں یہاں بھیج دئے گئے تھے۔ خدا جانے اس نے ایسی حرکت کیوں کی۔ آپ جانتے ھیں، ایک دن وہ اور کوئی لیفٹیننٹ شہر کے پچھواڑے گئے، انہوں نے اپنی تلواریں کھینچ لیں اور ایک دوسرے پر وار کرنے شروع کئے۔ اور الکسی ایوانووچ کی تلوار اس شخص کے جسم کے آرپار ھو گئی، اور یہ سب دو گواھوں کی موجودگی میں ھوا۔ بس اتنی سی بات تھی! کون جانے کب کون کیا کر بیٹھے گا۔»

ٹھیک اسی وقت ایک کم عمر اور ھٹاکٹا قضاق سارجنٹ کمرے میں داخل ھوا۔ «میکسیمچ» بوڑھی خاتون نے کہا «ان افسر کے لئے صاف ستھرے کمروں کا انتظام کرو۔» «بہت بہتر ھے وسیلیسا یگوروونا» سارجنٹ نے جواب دیا۔ «کیا میں ایوان پولیژایف کے ساتھ ان کا انتظام کر دوں؟» «نہیں، میکسیمچ بالکل نہیں» کپتان کی بیوی نے کہا۔ «وھاں تو پہلے ھی کافی لوگ ھیں، اور پھر پولیژایف ھمارا دوست ھے، اور وہ ھمیں اپنا حاکم سمجھتا ھے۔ افسر کو لیجاؤ — آپ کا کیا نام ھے جناب؟ پیوتر اندریےیچ، تم پیوتر اندریےیچ کو سیمیون کوزوف کے ھاں لیجاؤ۔ وہ اپنا گھوڑا میرے پائیں باغ میں ھنکا دیتا ھے۔ بدمعاش! ھاں میکسیمچ، اور تو سب ٹھیک ٹھاک ھے نا؟»

«خدا کا شکر ہے، سب ٹھیک ہے!» قضاق نے جواب دیا۔ «سوائے اس کے کہ حمام میں کارپورل پروخوروف اور استینیا نیگولینا گرم پانی کے ایک تشلے کے لئے لڑ پڑے۔»

«ایوان ایگناتیچ!» کپتان کی بیوی نے اس دفعہ کانے بڑے میاں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ «جاؤ تم پروخوروف اور استینیا سے بات کرو، اور معلوم کرو کہ غلطی کس کی تھی۔ اور بہر حال سزا تو دونوں ہی کو دو۔ اور میکسی‌میچ اب تم جاؤ! پیوتر اندریےیچ میکسی‌مچ آپ کو آپ کے کمروں تک پہنچا دے گا۔»

میں تعظیماً جھکا اور چلا آیا۔ سارجنٹ مجھے قلعے کی حدود کے آخری سرے پر ایک مکان میں لے گیا جو دریا کے بلند کنارے پر واقع تھا۔ ادھے گھر پر سیمیون کوزوف اور ان کی بیوی کا قبضہ تھا۔ دوسرا حصہ مجھے دے دیا گیا۔ میرے حصے میں ایک کمرہ تھا جس کو دیوار کھینچ کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ کمرہ خاصہ صاف ستھرا تھا۔ ساویلچ نے سامان کھولنا شروع کیا اور میں تنگ کھڑکی سے جھانکنے لگا۔ میرے سامنے حد نظر تک خاموش اور اداس صحرا پھیلا ہوا تھا۔ ہمارے سامنے چند جھونپڑیاں تھیں اور گلی میں مرغیاں چگ رہی تھیں۔ ایک بوڑھی عورت ہاتھ میں تشلہ اٹھائے اپنے دروازے میں کھڑی تھی اور سوروں کو آواز دے رہی تھی جو جواباً دوستانہ انداز میں غرا رہے تھے۔ اور اس جگہ مجھے اپنی جوانی گنوانی تھی! میں بے حد اداس ہو گیا۔ میں کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا اور ساویلچ کے اصرار کے باوجود

رات کا کھانا کھائے بغیر ہی لیٹ رہا۔ حالانکہ ساویلچ بار بار افسوس سے کہہ رہا تھا، «خدا رحم کرے! وہ کچھہ نہیں کھا رہا! اگر ان کا بچہ بیمار پڑ گیا تو مالکن کیا کہیں گی؟»

اگلے دن صبح میں ابھی کپڑے ہی پہن رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور چھوٹے قد اور کالے رنگ کا ایک نوجوان افسر کمرے میں داخل ہوا، اسے خوبصورتی سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا، مگر اس کے چہرے سے زندہ دلی ٹپک رہی تھی۔ «معاف کیجئےگا» اس نے فرانسیسی زبان میں کہا۔ «میں بلاتعارف آپ سے ملنے چلا آیا۔ میں نے کل آپ کے آنے کی اطلاع سنی، میں انسانی صورت دیکھنے کے لئے تڑپ اٹھا، اور مجھہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ کچھہ عرصے یہاں رہ لیں گے تو خود ہی سمجھہ جائیں گے۔» میں سمجھہ گیا، کہ یہی وہ افسر ہے جسے ڈوئیل لڑنے کی وجہ سے گارد دستے سے یہاں بھیج دیا گیا ہے۔ فوراً ہی ہم ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ شوابرن بہت تیز آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ بہت بذلہ سنج تھا اور بہت دلچسپ باتیں کرتا تھا۔ اس نے بہت دلچسپ انداز میں مجھے کپتان اور ان کے خاندان، دوستوں اور اس جگہ کے بارے میں بتایا، جہاں میری قسمت مجھے کھینچ لائی تھی۔ میں بری طرح ہنس رہا تھا کہ وہی سپاہی جسے میں نے کل کپتان کے گھر میں ایک وردی میں پیوند لگاتے دیکھا تھا، وہاں پہنچا۔ اس نے مجھے وسیلیسا یگوروونا کی طرف سے دوپہر کے کھانے کی دعوت دی۔ شوابرن فوراً مجھے وہاں لیجانے کے لئے تیار ہو گیا۔

اور جب ہم کپتان کے گھر کے قریب پہنچے تو ہمیں پندرہ بیس بوڑھے آدمی چوک میں صف آرا نظر آئے۔ ان سب نے اپنے بالوں کو باندھ کر لمبی لمبی چوٹیاں سی بنا لی تھیں۔ ان کے سروں پر تکونی ٹوپیاں تھیں۔ ان کے سامنے کپتان کھڑے تھے۔ ایک بڑی عمر کے لمبے اور پھرتیلے صاحب۔ وہ ڈریسنگ گاؤن اور رات کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ شوابرن کو اور مجھے دیکھتے ہی وہ ہماری طرف بڑھے، مجھ سے دو چار پرخلوص جملے کہے اور پھر اپنے آدمیوں کو پریڈ کرانی شروع کر دی۔ ہم تو وہاں ٹھیرنا اور قواعد دیکھنا چاہ رہے تھے مگر انہوں نے ہم سے وسیلیسا یگوروونا کے پاس جانے کو کہا اور وعدہ کیا کہ وہ خود بھی بس آ ہی رہے ہیں۔ «تمہارے دیکھنے کو یہاں رکھا ہی کیا ہے؟» انہوں نے کہا۔

وسیلیسا یگوروونا بہت سادگی اور مہمان نوازی سے ہم سے ملیں اور مجھ سے بالکل گھر کے آدمیوں کا سا برتاؤ کیا۔ بوڑھا سپاہی میز لگانے میں ملازمہ کی مدد کر رہا تھا۔ «آج میرے ایوان کوزمیچ بہت دیر سے پریڈ کرانے میں مصروف ہیں» کپتان کی بیوی نے کہا۔ «پالاشا جاؤ صاحب کو کھانے پر بلاؤ۔ اور ماشا کہاں ہے؟» اسی وقت گول چہرے والی گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ شکل اٹھارہ سالہ ایک لڑکی کمرے میں داخل ہوئی جس کے سنہری بال سادگی سے کانوں کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ پہلی نظر میں وہ مجھے بالکل اچھی نہیں لگی۔ شوابرن نے بتایا تھا کہ ماشا بہت ہی سیدھی اور احمق

ہے، لہذا مجھے اس کے خلاف تعصب سا تھا۔ اس نے ایک کونے میں بیٹھ کر کچھ سینا پرونا شروع کر دیا۔ اسی اثنا میں کرم کلے کا شوربہ میز پر چن دیا گیا۔ وسیلیسا یگوروونا نے اپنے شوہر کو غائب دیکھ کر پھر پالاشا کو ان کی تلاش میں بھیجا۔ «صاحب سے کہو ان کے مہمان انتظار کر رہے ہیں، اور شوربہ ٹھنڈا ہوا جا رہا ہے۔ پریڈ کے لئے تمام دن پڑا ہوا ہے — خدا جانے — بہت وقت پڑا ہے، بعد میں دل بھر کر چیخ چلا لیں۔» تھوڑی دیر میں کپتان اور کانا بوڑھا نمودار ہوئے۔ «یہ کیا حرکت ہے؟ مدتیں ہوئیں کھانا چنا جا چکا ہے، اور تم کسی طرح آ ہی نہیں چکتے۔» «دیکھو نا وسیلیسا یگوروونا۔» ایوان کوزمیچ نے جواب دیا۔ «میں مصروف تھا۔ میں بوڑھے سپاہیوں سے پریڈ کروا رہا تھا۔»

«چلو ہٹو!» ان کی بیوی نے کہا۔ «ان سے پریڈ کرانے سے کیا فائدہ؟ وہ کبھی نہیں سیکھ سکتے، اور تم خود ہی کونسا جانتے ہو۔ تمہیں تو چاہئے کہ گھر میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرو۔ عزیز مہمانوں کھانے پر آؤ۔»

ہم کھانے پر بیٹھ گئے۔ وسیلیسا یگوروونا ایک منٹ کے لئے بھی خاموش نہیں ہوئیں۔ وہ مستقل مجھ پر سوالات کی بوچھار کرتی رہیں — میرے والدین کون ہیں، کیا وہ ابھی زندہ ہیں، وہ کہاں رہتے ہیں، اور ان کے پاس کتنا روپیہ ہے؟ اور یہ سن کر تو وہ چیخ اٹھیں کہ میرے ابا کے پاس تین سو کسان ہیں۔

«ذرا سوچو! دنیا میں کیسے کیسے دولت مند پڑے ہیں، اور ہمارے پاس لے دے کے صرف یہی ایک ملازمہ ہے — پالاشا — مگر شکر ہے خدا کا، ہم بھی کسی چیز کے محتاج نہیں ہیں — ہمیں تو بس یہی فکر لگی ہے کہ ماشا کی شادی ہو جائے — لڑکی کی عمر شادی کے قابل ہو گئی ہے، مگر اس کے پاس جہیز کے نام کیا دھرا ہے؟ صرف ایک کنگھا، جھاڑو اور چاندی کا ایک سکہ (خدا کرے یہی بچا رہے)— اگر کوئی شریف اور ایماندار آدمی اس کا خواہاں نکل آیا تب تو بیڑا پار ہے — ورنہ لڑکی ساری عمر کنواری بیٹھی رہےگی —» میں نے کنکھیوں سے ماریا ایوانوونا کی طرف دیکھا، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، اور واقعی اس کے آنسو پلیٹ میں گر رہے تھے — مجھے اس پر بہت رحم آیا — اور میں نے جلدی سے بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی — «میں نے سنا ہے» میں نے بےتکےپن سے بات شروع کی «کہ بشکیر اس قلعے پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں —» «یہ تم نے کہاں سے سن لیا عزیز من؟» ایوان کوزمیچ نے پوچھا — «مجھے اورن‌برگ میں کسی نے بتایا تھا» میں نے جواب دیا — «بکواس!» کپتان نے کہا — «مدتوں سے یہاں سب طرح خیریت ہے — بشکیر کچلے جا چکے ہیں — اور کرغیزیوں کو بھی اچھی طرح سبق مل گیا ہے — اب ان کے گڑبڑ کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے — اور اگر انہوں نے کچھ شرارت کی بھی تو میں ان کی ایسی خبر لوں‌گا کہ دسیوں برس یاد رکھیں گے —»

«کیا آپ کو ایسے قلعے میں رہنے سے ڈر نہیں لگتا — جس میں ہر گھڑی اندیشہ ہو؟» میں نے وسیلیسا یگوروونا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا — «میں تو اس کی عادی ہوں بیٹے» انہوں نے جواب دیا — «بیس سال پہلے جب رجمنٹ سے ہماری یہاں کی بدلی ہوئی، تو خدا ہی جانتا ہے کہ میں ان کافروں سے کتنا ڈرتی تھی! تمہیں یقین نہیں آئےگا جب کبھی میں ان کی سمور کی ٹوپیاں دیکھتی، یا ان کی چیخیں سنتی تو سانس رک جاتا، واقعی جناب دل کی دھڑکن بند ہونے لگتی! مگر اب تو میں ان کی اتنی عادی ہو گئی ہوں کہ اگر کوئی آکے مجھ سے یہ بھی کہہ دے کہ یہ بدمعاش قلعے کے چاروں طرف گھوم رہے ہیں تب بھی مجھ پر اثر نہ ہو —»

«وسیلیسا یگوروونا بہت بہادر عورت ہیں» شوابرن نے معنی خیز انداز میں کہا — «ایوان کوزمیچ اس کی گواہی دے سکتے ہیں —»

«ہاں، واقعی» ایوان کوزمیچ نے کہا — «وہ بزدل چھوکریوں کی طرح نہیں ہیں —»

«اور ماریا ایوانوونا؟» میں نے پوچھا — «کیا وہ بھی آپ کی طرح بہادر ہیں؟»

«ماشا اور بہادر؟» اس کی ماں نے جواب دیا — «نہیں، ماشا بہت بزدل ہے — وہ تو آج تک بندوق کی آواز بھی برداشت نہیں کر سکتی — بندوق کی آواز سن کر اس کا بدن تھر تھر

کانپنے لگتا ہے۔ دو سال پہلے میری سالگرہ کے دن ایوان کوزمیچ نے توپ داغ کر سلامی دینے کا حکم دیا تو اس کی تو جان نکلتے نکلتے بچی — میری بچی بچاری۔ وہ دن اور آج کا دن ہم اس نگوڑی توپ کو ہاتھہ بھی نہیں لگاتے۔»

ہم سب کھانے کی میز سے اٹھے۔ کپتان اور ان کی بیوی آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلے گئے، اور میں شوابرن کے کمرے میں آ گیا، اور پوری شام اسی کے ساتھہ گزاری۔

چوتھا باب

ڈوئیل

اچھا تو آ جاؤ میدان میں،
اور دیکھہ لو کہ میں تمہارا سینہ چھلنی
کرتا ہوں کہ نہیں!(٤)

کنیاژنین

کئی ہفتے گزر گئے، اور بیلوگورسک قلعے میں زندگی میرے لئے نہ صرف قابل برداشت بلکہ بہت خوشگوار ہو گئی۔ کپتان کے ہاں میں گھر ہی کا آدمی سمجھا جاتا تھا۔ کپتان اور ان کی بیوی بہت اچھے لوگ تھے۔ ایوان کوزمیچ جو ایک معمولی سپاہی کے بیٹے سے فوجی افسر بنے تھے، ان پڑھہ اور سیدھے سادھے مگر بہت ایماندار اور نیک آدمی تھے۔ ان پر بیوی کا سکہ چلتا تھا، اور ان کی سست طبیعت اسی میں خوش تھی۔ وسیلیسا یگوروونا شوہر کے فوجی فرائض کو بھی گھرداری ہی کا ایک حصہ سمجھتی تھیں، اور جس طرح گھر پر ان کا راج تھا اسی طرح قلعے پر بھی ان کی حکمرانی تھی۔ جلد ہی ماریا ایوانوونا کی جھجک بھی نکل گئی۔ اور ہم دونوں میں دوستی ہو گئی۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ بہت سمجھدار اور حساس

لڑکی ہے۔ اور دھیرے دھیرے میں اس مہربان خاندان سے قریب
ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ اس کانے فوجی لیفٹیننٹ ایوان ایگناتیچ
سے بھی گھل مل گیا، جس کے متعلق شوابرن نے اڑا دیا تھا
کہ گھر کی مالکہ سے اس کے نا جائز تعلقات ہیں۔ حالانکہ
اس میں سچائی کا کوئی شائبہ تک نہ تھا، مگر شوابرن کی
بلا سے۔

اسی اثنا میں میں افسر کے عہدے پر پہنچ گیا۔ میرے
فرائض زیادہ سخت نہیں تھے۔ اس دور افتادہ قلعے میں فوجی
معائنے، پریڈ، اور رات کا فوجی پہرہ غرض کچھ بھی نہ ہوتا۔
کبھی کبھی کپتان کے سر میں سپاہیوں سے پریڈ کروانے کا
سودا سما جاتا، لیکن وہ آج تک انہیں دائیں اور بائیں کی تمیز
کرانے میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ ان میں سے بہت سے غلطی
کرنے کے خوف سے مڑتے ہوئے ہر دفعہ اپنے اوپر صلیب کا نشان
بناتے۔ شوابرن کے پاس فرانسیسی کی چند کتابیں تھیں۔ میں
نے انہیں پڑھنا شروع کیا، اور اس طرح میرے دل میں بھی
ادیب بننے کی خواہش پیدا ہوئی۔ روز صبح کو میں پڑھتا،
ترجمہ کرنے کی کوشش کرتا اور کبھی کبھی تو شعر بھی موزوں
کر لیتا۔ تقریباً روزانہ میں دوپہر کا کھانا کپتان کے گھر پر
ہی کھاتا، اور عام طور سے دن کا باقی حصہ وہیں گزارتا۔
بعض دفعہ شام کو فادر گراسیم اور ان کی بیوی اکولینا
پامفی لوونا، وہیں آ جاتے۔ وہ ضلع بھر کے گپ بازوں کی سردار
تھیں۔ ظاہر ہے شوابرن سے بھی میری روز ہی ملاقات ہوتی۔

لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا مجھے اس کی باتیں روز بروز
زیادہ کھلنے لگیں۔ کپتان کے خاندان کے متعلق لگاتار اس کے
گھٹیا مذاق اور خاص طور پر ماریا ایوانوونا کے متعلق اس کے
تحقیر آمیز جملے مجھے بہت ناگوار گزرتے۔ قلعے میں اور کوئی
ملنے جلنے والا نہیں تھا، اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے اور کسی
کی خواہش بھی نہیں تھی۔

مختلف پیش گوئیوں کے باوجود بشکیریوں میں بےچینی کی
کوئی علامت نظر نہیں آئی۔ ہمارے قلعے میں سکون اور چین
کی بنسی بجتی رہی لیکن غیر متوقعہ اندرونی جھگڑوں کی وجہ
سے قلعے کے امن و سکون میں خلل پڑ گیا۔

میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں نے کچھ لکھنا لکھانا
شروع کر دیا تھا۔ اس زمانے کے معیار کے مطابق میری کوششیں
خاصی بار آور ہوئیں۔ اور چند سال بعد خود الکزانڈر پیترووچ
سوماروکوف (۵) نے انہیں بہت سراہا۔ ایک دن تو میں نے پوری
ایک نظم ایسی لکھ ڈالی جس سے میں خود پوری طرح مطمئن
تھا۔ دنیا جانتی ہے کہ ادیب عام طور پر اصلاح لینے کے بہانے
ایسے سامعین ڈھونڈتا ہے جو اس کے فن کی داد دیں۔ چنانچہ
یہ گیت مکمل کرنے کے بعد میں اسے شوابرن کے پاس لے گیا۔
قلعے میں وہی ایک آدمی تھا جو شاعری کو سمجھ سکتا تھا۔
چند جملوں میں زمین تیار کرنے کے بعد میں نے جیب سے کاپی
نکالی اور یہ اشعار شوابرین کو سنائے:

میں عشق و محبت کے جذبات کو دل سے نکال دینا چاہتا ہوں،
میں حسین ماشا کے حسن کو بھلانے کی کوشش کرتا ہوں۔
میں ماشا سے دور ہو کر، اپنی محبوبہ سے دور ہو کر
اپنے خیال کی پرواز کو بلند ہونے کی امید کرتا ہوں۔

لیکن وہ نظریں، جو مجھے اتنی عزیز ہیں،
جنہوں نے میرا دن رات کا سکھہ چین چھین لیا ہے،
وہ نظریں ہر لمحے میری نظروں میں جگمگاتی ہیں،
میں ان کی جان لیوا چمک پر نثار ہوں۔

ماشا! میرے دکھہ درد سے آشنا ماشا
دیا کرو مجھہ پر خدا کے لئے دیا کرو،
تم اور صرف تم اس غریب کے دل کا قرار واپس دے
سکتی ہو۔
جو تمہاری زلف گرہ‌گیر کا اسیر ہے۔ (٦)

«کہو کیا رائے ہے؟» میں نے شوابرن سے پوچھا۔ میں تعریف سننے کے لئے بےتاب تھا۔ مجھے بہت افسوس ہوا جب شوابرن نے جو عام طور سے اتنی توجہ سے سنتا تھا، صاف صاف کہہ دیا کہ میرا گیت بہت خراب ہے۔

«لیکن، کیوں؟» میں نے اپنی کوفت کو چھپاتے ہوئے پوچھا۔

«کیونکہ» اس نے جواب دیا «ایسے اشعار تو بس میرے

استاد وسیلی کیریلووچ تریدیاکووسکی (٧) ہی کے لائق ہیں، اور یہ مجھے اس کی عشقیہ شاعری کی یاد دلا رہے ہیں۔»

یہ کہکر اس نے کاپی میرے ہاتھہ سے لے لی اور نہایت بےرحمی سے ہر ہر لائن اور ہر ہر لفظ کو برا کہنا اور مجھہ پر طنز کرنا شروع کیا۔ میں برداشت نہ کر سکا، میں نے کاپی چھین لی اور کہا کہ میں آئیندہ کبھی اسے اپنے شعر نہیں سناؤں‌گا۔ شوابرن اس دھمکی پر بھی خوب ہنسا۔ «دیکھتے ہیں تم اپنی بات پر قائم رہتے ہو یا نہیں» اس نے کہا۔ «شاعر کو بالکل اسی طرح شعر فہم کی ضرورت ہے جیسے ایوان کوزمیچ کو کھانے سے پہلے ووڈکا کے ایک ادھہ جام کی۔ اور یہ ماشا کون صاحبہ ہیں جس کے لئے آپ نے اس قدر نازک جذبات کا اظہار کیا ہے، اور جو آپ کے اس خوشگوار کرب کی ذمہ‌دار ہے؟ کہیں یہ ماریا ایوانوونا تو نہیں؟»

«تمہیں اس سے کیا مطلب وہ کون ہے!» میں نے تیوری چڑھا کر جواب دیا۔ «مجھے نہ تمہاری رائے کی ضرورت ہے نا تمہاری قیاس آرائیوں کی۔»

«واہ اے میرے حساس شاعر اور محتاط عاشق!» شوابرن کہتا گیا۔ میرا غصہ اور نفرت بڑھتی جا رہی تھی۔ «ذرا میری بات پر بھی کان دھرو۔۔۔اگر کامیاب ہونا چاہتے ہو تو سنو، میں تو یہی کہوں‌گا کہ شعر و شاعری پر ہی اکتفا نہ کرنا۔»

«کیا مطلب ہے تمہارا؟ ذرا مہربانی سے اپنی بات کی وضاحت کرو!»

«ضرور ضرور، میرا مطلب ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ ماشا میرونووا جھٹپٹے کے وقت تم سے ملنے آئے، تو اسے خالی خولی نازک شعر نہیں کانوں کے بندے دو بندے—»

میرا خون کھول گیا— «اور تمہیں اس کے متعلق اتنی گھٹیا رائے رکھنے کا کیا حق ہے؟» میں نے پوچھا— میں اپنی نفرت کو چھپا نہ سکا—

«کیونکہ» اس نے ایک شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا «میں اپنے تجربے سے اس کی عادتوں اور اس کے اصولوں کو جانتا ہوں—»

«تم جھوٹ بول رہے ہو، بدمعاش!» میں غصے میں چیخا— «تم انتہائی بےشرمی سے جھوٹ بول رہے ہو!»

شوابرن کے چہرے کا رنگ بدل گیا— «میں اسے معاف نہیں کر سکتا» اس نے سختی سے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا— «تمہیں اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی—»

«شوق سے، جب تم چاہو!» میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا— میں اسی لمحے اس کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالنا چاہتا تھا—

میں فوراً ایوان ایگناتیچ کی تلاش میں چلا— وہ ہاتھ میں سوئی تاگا لئے بیٹھا تھا، اور کپتان کی بیوی کے حکم پر، سانپ کی چھتریوں کو خشک کرنے کے لئے ڈوری میں پرو رہا تھا تاکہ وہ جاڑے میں کام آئیں— «آہا پیوتر اندریے‌یچ تم!» اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا— «آؤ آؤ، کہو آج راستہ کیسے بھول

گئے— کیا میں پوچھ سکتا ہوں کیسے آنا ہوا؟» میں نے مختصر الفاظ میں اسے بتایا کہ میں الکسی ایوانووچ سے لڑ بیٹھا ہوں، اور میں چاہتا ہوں کہ تم میرے گواہ بن جاؤ— ایوان ایگناتیچ نے بہت غور سے میری بات سنی، اس کی اکلوتی آنکھ تیزی سے جھپک رہی تھی— «اچھا کیا تم نے مجھے بتا دیا» اس نے کہا— «کہ تم الکسی ایوانووچ کے سینے میں تلوار بھونکنا چاہتے ہو، اور مجھے اپنا گواہ بنانا چاہتے ہو— یہی مطلب ہے نا تمہارا؟»

«جی ہاں!»

«مجھے تو بخشو بھئی، پیوتر اندریے‌یچ! آخر تم سوچ کیا رہے ہو؟ الکسی ایوانووچ سے تمہارا جھگڑا ہو گیا— تو کیا ہوا؟ الفاظ سے ہڈیاں پسلیاں تو نہیں ٹوٹیں، وہ تمہیں گالی دیتا ہے— تم پلٹ کر اسے گالی دے دو— وہ تمہارے منہ پر تھپڑ مارے تو تم اس کی کنپٹیوں پر ہاتھ مار دو، اور بس پھر تم اپنی راہ لو، وہ اپنی راہ لے— یہ ہمارا ذمہ ہے کہ پھر تمہاری صلح ہو جائے گی مگر اپنے ساتھی کے سینے میں تلوار بھونک کر تمہیں کیا مل جائے گا— اچھا چلو اگر تم اسے مار دو، تب تو ٹھیک ہے! سچ تو یہ ہے کہ مجھے الکسی ایوانووچ ایک آنکھ نہیں بھاتا—مجھے تو وہ کبھی اچھا نہیں لگا، مگر سوچو اگر اس کی تلوار تمہارے سینے کے پار ہو گئی تب! تب کیا ہوگا؟ میں پوچھتا ہوں تب کون بےوقوف بنے گا؟»

لیکن اس سمجھدار لیفٹیننٹ کی دلیلیں میرے ارادے کو ڈگمگا نہ سکیں— میں اپنے فیصلہ پر قائم رہا— «جیسی تمہاری

مرضی» ایوان ایگناتیچ نے کہا۔ «تم جو چاہو کرو مگر میں تمہارے بیچ میں کیوں پڑوں؟ کس لئے؟ کیا تم سمجھتے ہو میں نے کبھی کسی کو لڑتے ہوئے نہیں دیکھا؟ میں ترکوں اور سویڈن والوں سے لڑ چکا ہوں۔ میں اپنے زمانے میں بہت جنگ و جدل دیکھ چکا ہوں۔»

میں نے اپنی بساط بھر اسے گواہ کے فرائض سمجھانے کی پوری کوشش کی مگر ایوان ایگناتیچ کسی صورت میری بات سمجھنے پر تیار نہ ہوا کہ آخر میں کہہ کیا رہا ہوں۔ «جیسی تمہاری مرضی بھائی» اس نے کہا۔ «لیکن میں اگر اس معاملے میں دخل دوں گا تو صرف اس قدر کہ اپنے فرض کے مطابق، ایوان کوزمیچ کو اس کی اطلاع کر دوں کہ قلعے میں ریاست کے مفاد کے خلاف، بری حرکتیں کی جا رہی ہیں، اور کپتان سے درخواست کروں کہ وہ مہربانی سے اس سلسلے میں مناسب کارروائی کریں۔»

میں بہت پریشان ہو گیا، اور میں نے ایوان ایگناتیچ کی منت کی کہ وہ کپتان سے کچھ نہ کہیں۔ اور بمشکل تمام میں نے اسے رام کر ہی لیا اور آخرکار اس نے مجھ سے وعدہ کیا اور میں اسے چھوڑ کر چلا آیا۔

وہ شام میں نے حسب معمول کپتان کے گھر میں گزاری۔ میں بہت ہشاش بشاش اور بےپرواہ نظر آنے کی کوشش کرتا رہا۔ تاکہ کسی کو کوئی شبہ نہ ہو، اور لوگ بےوجہ سوالات شروع نہ کردیں مگر ایک بات ہے، حالانکہ میرے جیسے حالات

میں بہت لوگ ایسا ظاہر کرتے ہیں لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے واقعی کوئی پرواہ اور فکر تھی ہی نہیں۔ اس شام میں بہت جذباتی ہو رہا تھا، اور بہت حساس۔ اس سے پہلے ماریا ایوانوونا مجھے معمول سے زیادہ دلکش معلوم ہو رہی تھی۔ اس احساس نے کہ ہو سکتا ہے میں اسے آج کے بعد پھر کبھی نہ دیکھ سکوں، اس کے حسن میں عجیب گداز بھر دیا تھا۔ شوابرن بھی وہاں موجود تھا۔ میں اسے ایک طرف لے گیا، اور ایوان ایگناتیچ سے اپنی بات چیت کے بارے میں بتایا۔ «ہمیں گواہوں کی کیا ضرورت ہے؟» اس نے بےرخی سے کہا۔ «ہم گواہوں کے بغیر ہی کام چلا لیں گے۔» اور ہم نے طے کیا کہ قلعے کے قریب ہی چارے کے ڈھیر کے پیچھے لڑیں گے، اور اگلے دن صبح سات بجے وہاں پہنچ جائیں گے۔ ہم بظاہر اس قدر دوستانہ انداز سے باتیں کر رہے تھے کہ ایوان ایگناتیچ نے خوش ہوکر ہمارا بھانڈا پھوڑ دیا۔ «یہ بات ہوئی!» اس نے خوش ہوکر کہا۔ «زوردار جنگ سے بےرنگ صلح ہی بہتر ہے جان بچ جائے۔ عزت، بےعزتی کا کیا ہے۔»

«کیا قصہ ہے، ایوان ایگناتیچ؟» کپتان کی بیوی نے پوچھا، وہ ایک کونے میں بیٹھی ہوئی پتوں کی مدد سے قسمت بتا رہی تھیں۔ «میں نے پوری بات نہیں سنی، تم کیا کہہ رہے تھے۔»

ایوان ایگناتیچ میرے چہرے پر بےچینی کے آثار دیکھ کر، اور اپنا وعدہ یاد کرکے شش وپنج میں پڑ گیا کہ کیا کہے کیا نہ کہے، مگر شوابرن فوراً اس کی مدد کو پہنچ گیا۔

«ایوان ایگناتیچ یہ دیکھہ کر خوش ہو رہے ہیں کہ ہم نے صلح کر لی» اس نے کہا ــ

«تو تم لڑ کس سے رہے تھے بھائی؟»

«پیوتر اندریےیچ سے میرا اچھا خاصہ جھگڑا ہو گیا تھا ــ»

«کس وجہ سے؟»

«آوہ، بس ایک چھوٹی سی بات پر، وسیلیسا یگوروونا، ایک گیت پر ــ»

«گیت پر؟ گیت تو کوئی لڑنے کی چیز نہیں ہے ــ مگر یہ جھگڑا ہوا کیسے؟»

«قصہ یوں ہوا کہ کچھہ دن ہوئے پیوتر اندریےیچ نے ایک گیت لکھا، اور میرے سامنے گاکر سنایا ــ اور میں اپنا پسندیدہ شعر گنگنانے لگا ــ

کپتان کی بیٹی، گھر میں بیٹھو!
چاندنی رات میں بھٹکتی نہ پھرو ــ (۸)

اور اس پر ہم میں لڑائی ہونے لگی ــ پیوتر اندریےیچ تو واقعی مجھہ سے خفا ہوا جا رہا تھا، مگر پھر اسکی سمجھہ میں آ گیا کہ ہر شخص کو حق ہے کہ وہ جو چاہے اور جو پسند کرے گنگنائے ــ اور بس جھگڑا ختم ہو گیا ــ»

شوابرن کی بےحیائی دیکھہ کر میں غصے میں پاگل ہو گیا ــ لیکن میرے سوا اس کے گھٹیا اشاروں کو کوئی نہیں سمجھا، یا کم از کم کسی نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی ــ

بحث شاعری سے ہٹ کر شاعروں پر پہنچ گئی ــ کپتان کا تجربہ تھا کہ شاعر سب کے سب شرابی اور عیاش ہوتے ہیں، انہوں نے مجھے دوستانہ مشورہ دیا کہ میں شعر لکھنا چھوڑ دوں، کیونکہ اس پیشے کا سپاہیوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے ــ اور پھر شاعری کسی کام کی بھی تو نہیں ہوتی ــ

شوابرن کی موجودگی میرے لئے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی ــ میں نے جلد ہی کپتان اور ان کے خاندان کو خدا حافظ کہا اور اپنے کمرے پر آ گیا ــ میں نے اپنی تلوار کو دیکھا بھالا، تلوار کی نوک کو آزمایا، اور ساویلچ کو یہ ہدایت دے کر سو گیا کہ وہ مجھے صبح چھہ بجے اٹھا دے ــ

اگلے دن صبح وقت مقررہ پر میں چارے کے گٹھوں کے پیچھے کھڑا ہوا اپنے مد مقابل کا انتظار کر رہا تھا ــ وہ بھی میرے بعد جلد ہی وہاں پہنچ گیا ــ «ہو سکتا ہے کوئی ہمیں دیکھہ لے» اسنے کہا «اس لئے ہمیں جلدی کرنی چاہئے ــ» ہم نے اپنے فوجی کوٹ اتار دئے ــ ہم بنیان پہنے کھڑے تھے اور ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں ــ یکایک قلعے کی فوج کے چند سپاہیوں کے ساتھہ ایوان ایگناتیچ چارے کے گٹھوں کے پیچھے سے نمودار ہوئے ــ اسنے ہم سے کپتان کے پاس چلنے کی درخواست کی ــ ہم نے پریشانی اور بزدلی سے اس کے حکم کی تعمیل کی، سپاہیوں نے ہمیں حلقے میں لے لیا ــ اور ایوان ایگناتیچ کے پیچھے پیچھے قلعے کی طرف چلے ــ ایوان ایگناتیچ بہت فاتحانہ انداز میں نہایت شان و شوکت کے ساتھہ سب سے آگے آگے چل رہے تھے ــ

ہم کپتان کے گھر میں داخل ہوئے۔ ایوان ایگناتیچ نے دروازہ کھولا اور بہت باقاعدہ اعلان کیا «میں انہیں پکڑ لایا ہوں!» ہمیں وسیلیسا یگوروونا کا سامنا کرنا پڑا۔ «آہ جناب! جناب! یہ سب کیا قصہ ہے؟ کیا قصہ ہے؟ ہمارے قلعے میں، اور قتل کی تیاری! ایوان کوزمیچ! انہیں فوراً گرفتار کر لو! پیوتر اندریےیچ! الکسی ایوانووچ! اپنی تلواریں ہمیں دو، جلدی کرو، فوراً تلواریں دے دو! پالاشا ان تلواروں کو گودام میں لے جاؤ۔ پیوتر اندریےیچ! مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی! شرم نہیں آتی تمہیں؟ الکسی ایوانووچ کی دوسری بات ہے — وہ کسی شخص کو مارنے ہی کے جرم میں گارد دستے سے نکالا گیا ہے۔ وہ خدا کو بھی نہیں مانتا۔ مگر تم — تم! کیا تم بھی اسی جیسا بننا چاہتے ہو؟»

ایوان کوزمیچ سولہ آنے اپنی بیوی سے متفق تھے، وہ باربار کہہ رہے تھے «میں کہتا ہوں — وسیلیسا یگوروونا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ فوجی قوانین کے مطابق ڈوئیل سخت ممنوع چیز ہے۔» اسی اثنا میں پالاشا نے ہم سے تلواریں لے لیں اور انہیں گودام میں رکھ دیا۔ میری ہنسی روکے نہیں رک رہی تھی۔ مگر شوابرن بہت سنجیدہ اور متین نظر آ رہا تھا۔ «میرے دل میں آپکی بہت عزت اور احترام ہے» اس نے وسیلیسا یگوروونا کو مخاطب کرتے ہوئے نہایت رکھائی سے کہا۔ «لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ آپ ہماری بات میں دخل دے کر خود کو غیر ضروری طور پر تکلیف دے رہی ہیں۔ اس

معاملے کو ایوان کوزمیچ پر چھوڑ دیجئے، یہ ان کا کام ہے۔» «جناب، جناب!» کپتان کی بیوی نے اسے ڈانٹا۔ «کیا شوہر و بیوی ایک جان دو قالب نہیں ہوتے؟ ایوان کوزمیچ! تم سوچ کیا رہے ہو؟ انہیں الگ الگ کمروں میں قید کر دو اور جب تک ان کے سرسے بھوت نہ اترے انہیں روٹی اور پانی کے علاوہ کچھ نہ دو! اور فادر گراسیم سے کہو وہ ان سے ان کے گناہوں کا کفارہ ادا کروائیں۔ اور ان سے کہیں کہ وہ خدا سے دعا مانگیں کہ وہ انہیں معاف کر دے اور سب کے سامنے ان سے ان کے گناہوں کا اعتراف کروائیں۔»

ایوان کوزمیچ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ ماریا ایوانوونا کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ طوفان تھم گیا۔ کپتان کی بیوی کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا اور ہم دونوں کو گلے لگوا دیا گیا۔ اور پالاشا نے ہماری تلواریں ہمیں واپس لا دیں۔ اور ہم وہاں سے چلے تو بظاہر بالکل مطمئن اور خوش تھے۔ ایوان ایگناتیچ ہمارے ساتھ تھا۔ «شرم نہیں آتی تمہیں» میں نے خفگی سے کہا «مجھ سے وعدہ کرنیکے باوجود کہ تم ایسا نہیں کروگے تم نے کپتان سے ہماری شکایت کر دی!» «خدا گواہ ہے میں نے ایوان کوزمیچ کو کچھ نہیں بتایا» اس نے جواب دیا۔ «وسیلیسا یگوروونا نے باتوں باتوں میں مجھ سے سب کچھ اگلوا لیا۔ انہوں نے کپتان کو خبر کئے بغیر بالاہی بالا سب انتظام کر لیا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہ قصہ اس طرح تمام ہوا۔»

یہ کہکر وہ گھر چلا گیا، اور میں اور شوابرن اکیلے رہ گئے۔
«ہمارا جھگڑا اسطرح ختم نہیں ہو سکتا۔» میں نے کہا۔
«بالکل نہیں» شوابرن نے جواب دیا «تمہیں اپنے خون سے اپنی بدتمیزی کی قیمت ادا کرنی پڑےگی۔ لیکن غالباً اب وہ ہم پر نظر رکھیں‌گے۔ ہمیں چند دن دوستی کا ڈھونگ رچانا چاہئے۔ خدا حافظ!» اور ہم اسطرح رخصت ہوئے جیسے کچھہ ہوا ہی نہ ہو۔

کپتان کے گھر واپس آکر میں حسب معمول ماریا ایوانوونا کے برابر بیٹھہ گیا۔ ایوان کوزمیچ گھر پر نہیں تھے۔ وسیلیسا یگوروونا گھر کے دھندوں میں مشغول تھیں۔ ہم بہت دھیرے دھیرے بات کر رہے تھے۔ ماریا ایوانوونا بہت محبت بھرے لہجے میں مجھے ڈانٹ رہی تھی کہ شوابرن سے میری لڑائی کی وجہ سے ان سب کو کتنی پریشانی ہوئی ہے۔ «میرے تو یہ سن کر ہوش اڑ گئے» اسنے کہا «کہ تم تلواروں سے لڑنے والے ہو، مرد بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں! ایک ایسے لفظ کی خاطر، جسے وہ شاید ہفتے بھر ہی میں بھول جائیں، وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں اور نہ صرف اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ اپنے ضمیر اور ان لوگوں کی بھلائی اور اچھے برے کو بھی نہیں دیکھتے جو... لیکن مجھے یقین ہے کہ جھگڑا تم نے شروع نہیں کیا ہوگا۔ ضرور الکسی ایوانووچ کا قصور ہوگا۔»

«تم نے یہ کیسے سوچا۔ ماریا ایوانوونا؟»

«اوہ، مجھے نہیں معلوم — وہ ہمیشہ دوسروں کا مذاق اڑاتا ہے۔ مجھے الکسی ایوانووچ بالکل پسند نہیں ہے۔ مجھے وہ بالکل اچھا نہیں لگتا، مگر عجیب بات ہے، میں اگر یہ سنوں کہ وہ مجھے نا پسند کرتا ہے تو مجھے بہت افسوس ہوگا۔ اس سے مجھے بہت دکھہ ہوگا۔»

«تمہارا کیا خیال ہے، ماریا ایوانوونا — کیا وہ تمہیں پسند کرتا ہے؟»

ماریا ایوانوونا سرخ ہو گئی۔

«میرے خیال میں وہ پسند کرتا ہے» اسنے رکتے رکتے کہا۔

«تمہیں یہ خیال کیسے ہوا؟»

«کیونکہ اسنے مجھہ سے شادی کی درخواست کی تھی۔»

«شادی کی درخواست کی تھی؟ اس نے تم سے شادی کی درخواست کی تھی؟ کب؟»

«پچھلے سال۔ تمہارے یہاں آنے سے ایک دو مہینے پہلے۔»

«اور تم نے اس کی درخواست قبول نہیں کی؟»

«ظاہر ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ الکسی ایوانووچ بہت تیز آدمی ہے۔ اچھے خاندان کا ہے اور صاحب جائیداد ہے۔ لیکن جب مجھے یہ خیال آیا کہ مجھے شادی کے وقت اس کے ساتھہ کھڑا ہونا پڑےگا، سب لوگوں کے سامنے اسے پیار کرنا پڑےگا — نہیں، کسی قیمت پر نہیں، دنیا کی کسی قیمت پر نہیں!»

ماریا ایوانوونا کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دیں اور اب بہت کچھ میری سمجھ میں آ گیا ـ اب میں سمجھا کہ وہ کیوں ہمیشہ ماریا ایوانوونا کے بارے میں اسقدر خباثت سے بات کرتا ہے ـ اس نے ہم دونوں کے جذبات کا اندازہ لگا لیا ہوگا اور ہمارے راستے میں روڑے اٹکانے کی ٹھانی ہوگی ـ اور وہ الفاظ جو ہماری لڑائی کی جڑ تھے، اب میری نظروں میں اور زیادہ گھٹیا ہو گئے اب جب مجھے پتہ چلا کہ وہ صرف پھکڑپن ہی نہیں تھا بلکہ جان بوجھ کر بہتان تراشی کی کوشش تھی ـ اس جھوٹے بدمعاش افواہ پرداز کو سزا دینے کی خواہش اور زیادہ شدید ہو گئی، اور میں بےچینی سے مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا ـ

مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا ـ اگلے ہی دن، جب میں، مرثیہ لکھنے کی کوشش کر رہا تھا ردیف اور قافیہ کی تلاش میں میں اپنے پر کے قلم کی نوک چبا رہا تھا، اسوقت شوابرن نے کمرے کے باہر کھڑے ہو کر میری کھڑکی کھٹکھٹائی ـ میں نے قلم پھینک دیا، اور اپنی تلوار اٹھا کر اس کے پاس پہنچا ـ «اس قصے کو اور زیادہ کیوں ٹالیں؟» شوابرن نے مجھ سے کہا ـ «کوئی ہم پر نظر نہیں رکھ رہا ـ چلو ہم دریا کی طرف چلیں، وہاں کوئی دخل اندازی نہیں کرے گا ـ» ہم نہایت خاموشی سے آگے بڑھے ـ چڑھائی پر چڑھتے ہوئے ہم دریا کے کنارے پہنچے اور اپنی تلواریں کھینچ لیں ـ شوابرن زیادہ ماہر تھا ـ لیکن میں زیادہ مضبوط اور زیادہ

نڈر ـ اور موسیو بوپرے نے جو کبھی فوج میں رہ چکے تھے، مجھے شمشیرزنی کے چند گر سکھا دئے تھے ـ اور اسوقت میں ان کا فائدہ اٹھا رہا تھا ـ شوابرن کو یہ خیال نہیں تھا کہ اسے اسقدر سخت مقابلہ کرنا پڑے گا ـ بہت دیر تک ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو زخمی نہ کر سکا ـ آخر کار، یہ دیکھ کر کہ شوابرن کمزور پڑ رہا ہے، میں نے اور زیادہ جوش و خروش سے اسے دبانا شروع کیا، اور اسے دھکیلتا ہوا تقریباً دریا تک لے آیا ـ یکایک میں نے کسی کو زور زور سے اپنا نام لیکر پکارتے ہوئے سنا ـ میں مڑا، اور مجھے ساویلچ نظر پڑا جو اس پہاڑی راستے پر دوڑتے ہوئے میری طرف آ رہا تھا ـ اسی لمحے مجھے اپنے سینے میں دائیں کندھے کے نیچے کوئی تیز چیز کھبتی ہوئی محسوس ہوئی، اور میں بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا ـ

پانچ واں باب

عشق و محبت

شادی کے لئے تو ابھی بہت چھوٹی ہے، اے حسین دوشیزہ!
اپنے باپ سے پوچھ، ماں سے اجازت لے، اے حسین دوشیزہ!
اپنے ماں باپ سے پوچھ، اپنے رشتے داروں سے پوچھ،
پہلے اپنی سمجھ بوجھ، اپنی پرکھ بڑھا، اے حسین دوشیزہ،
سمجھ بوجھ، اور جہیز، اے حسین دوشیزہ!

لوک گیت

اگر تمہیں مجھ سے بہتر کوئی مل گیا تو تم مجھے بھلا دو گی —
اگر مجھ سے بدتر ملا — تو مجھے یاد رکھو گی —

لوک گیت —

ہوش آنے پر کافی دیر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کہاں ہوں اور مجھے کیا ہو گیا ہے — میں ایک اجنبی کمرے میں پلنگ پر لیٹا ہوا تھا — مجھے بہت کمزوری محسوس ہو رہی تھی — ساویلچ ہاتھ میں شمع لئے میرے سرہانے کھڑا تھا — کوئی بہت نرمی، بہت احتیاط سے میرے شانے اور سینے کی

پٹیاں کھول رہا تھا — رفتہ رفتہ یاد کے دھندلے نقوش زیادہ واضح ہوتے چلے گئے — مجھے ڈوئیل یاد آئی، اور تب میں سمجھا کہ میں زخمی ہو گیا ہوں — دفعتاً کواڑ چرچرائے — «اب کیا حال ہے؟» کسی کی مدھم سی آواز آئی، اور میرے تمام بدن میں برقی لہر دوڑ گئی — «وہی حال ہے» ساویلچ نے سرد آہ بھر کر کہا — «آج پانچ دن ہو گئے، ایک لمحے کو بھی آنکھ نہیں کھولی —» میں نے کروٹ لینی چاہی، مگر لے نہ سکا — «میں کہاں ہوں؟ یہ کون ہے؟» میں نے انتہائی کوشش کے بعد کہا — ماریا ایوانوونا پلنگ کے قریب آکر میرے اوپر جھک گئی — «اب کیسی ہے طبیعت؟» «خدا کا شکر ہے» میں نے کمزور آواز میں کہا — «یہ تم ہی ہو، ماریا ایوانوونا؟ بتاؤ، مجھے بتاؤ —» کمزوری کی وجہ سے میں جملہ پورا نہ کر سکا — اور بیچ ہی میں خاموش ہو گیا — ساویلچ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی، اس کا چہرہ انتہائی خوشی سے چمک اٹھا — «اے خدا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے! اسے ہوش آ گیا!» وہ بارہار کہہ رہا تھا — «اہ پیوتر اندریےیچ تم نے تو میری جان ہی لے لی تھی! ذرا سوچو — پورے پانچ دن!» ماریا ایوانوونا نے اس کو ٹوکا — «ساویلچ ان سے زیادہ بات نہ کرو» اس نے کہا «وہ ابھی بہت کمزور ہیں —» وہ آہستہ سے دروازہ بند کرتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی — میرے دماغ میں ہل چل مچی ہوئی تھی — ہوں، تو میں کپتان کے گھر میں تھا، ماریا ایوانوونا ابھی مجھے دیکھنے آئی تھی — میں ساویلچ سے ان گنت سوال

کرنے کو بے تاب تھا ــ مگر اس نے نفی میں سر ھلا کر اپنے کان بند کر لئے ــ مجھے سخت کوفت ھوئی، میں نے آنکھیں بند کرلیں اور بہت جلد نیند کے جھونکوں نے سب کچھه بھلا دیا ــ

نیند ٹوٹنے پر میں نے ساویلچ کو پکارا، مگر اس کے بجائے ماریا ایوانوونا میرے سرھانے بیٹھی تھی ــ اس نے انتہائی شیریں آواز سے مجھے سلام کیا ــ میں کبھی ان نرم و نازک اور لطیف جذبات کو الفاظ کا جامه نہیں پہنا سکتا جو اس وقت میرے دل و دماغ پر چھائے ھوئے تھے ــ میں نے اسکا ھاتھه تھام لیا اور اسے اپنے محبت کے آنسوؤں سے تر کر دیا ــ ماشا نے اپنا ھاتھه الگ نہیں کیا... یکایک اسکے ھونٹوں نے میرے رخساروں کو چھوا، مجھے اسکے معصوم اور جلتے ھوئے ھونٹوں کا لمس محسوس ھوا ــ میری رگ رگ میں شعلے بھڑک اٹھے ــ «میری پیاری، ماریا ایوانوونا» میں نے کہا «مجھه سے شادی کر لو، وعدہ کرو که تم مجھے میری زندگی کی تمام تر مسرت دوگی!» اس نے اپنے جذبات پر پورا پورا قابو رکھا ــ «خدا کیلئے اپنے اوپر قابو رکھو» اسنے اپنا ھاتھه کھینچتے ھوئے کہا ــ «تم ابھی خطرے سے باھر نہیں ھو ــ کہیں تمھارا زخم نه کھل جائے، میری خاطر سے اپنی صحت کا خیال رکھو ــ» یه کہکر وہ باھر چلی گئی اور مجھے خوشی و مسرت اور وجدانی کیفیت میں چھوڑ گئی ــ خوشی و مسرت نے مجھے موت کے منه سے کھینچ لیا ــ وہ میری ھے! وہ مجھه سے محبت کرتی ھے! میرے دل و دماغ پر یہی خیالات چھائے ھوئے تھے ــ
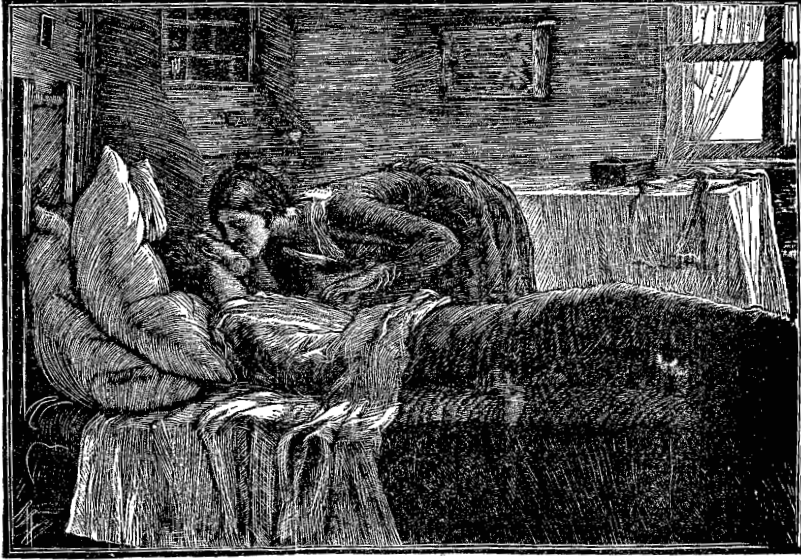
اس کے بعد میں ہر لمحہ ہر گھڑی بہتر ہوتا چلا گیا۔ کیونکہ رجمنٹ میں اور کوئی ڈاکٹر نہ تھا اس لئے میں رجمنٹ کے حجام کے زیر علاج تھا۔ خدا کا شکر ہے اس نے مجھے تختۂ مشق نہیں بنایا۔ قدرت نے اور میری جوانی نے مجھے جلد ہی بھلا چنگا کر دیا۔ کپتان کے خاندان کا ہر فرد میری تیمارداری کر رہا تھا۔ ماریا ایوانوونا تو منٹ بھر کو بھی مجھ سے جدا نہ ہوتی۔ ظاہر ہے موقع ملتے ہی میں نے پھر محبت کا راگ چھیڑ دیا، جو اس دن بیچ میں رک گیا تھا۔ اور اس دفعہ ماریا ایوانوونا نے بہت صبر و سکون سے میری بات سنی۔ اس نے ظاہری شرم و حیا کے بغیر مجھ سے اقرار محبت کیا، اس نے کہا کہ اس کے ماں باپ بھی یقیناً اس کی خوشی میں خوش ہوں گے۔ «لیکن خوب سوچ سمجھ لو» اس نے مزید کہا «کہیں ایسا نہ ہو کہ خود تمہارے ماں باپ کو اعتراض ہو؟»

میں سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے اپنی ماں کی محبت میں کوئی شک نہ تھا۔ مگر اپنے باپ کے مزاج اور خیالات کو دیکھتے ہوئے مجھے یقین ہو گیا کہ ان پر عشق و محبت کی واردات کا کوئی اثر نہیں ہوگا، وہ تو اسے جوانی کا خبط سمجھیں گے۔ میں نے ماریا ایوانوونا کو سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ مگر طے کیا کہ میں اپنی بساط بھر زیادہ سے زیادہ موثر انداز میں اپنے ابا کو سب کچھ لکھوں گا اور ان سے درخواست کروں گا کہ وہ

همیں اپنی بزرگانه دعاؤں سے مالامال کریں ـ میں نے ماریا ایوانوونا کو خط دکھایا، اسے یه خط بہت موثر اور معقول معلوم هوا اور اسے خط کی کامیابی میں کوئی شبه نه رها ـ وه محبت اور جوانی کے پورے یقین اور اعتماد کے ساتھه اپنے دل کے نازک جذبات اور خیالات میں کھو گئی ـ

میں نے صحتیاب هونیکے ایک ادهه دن بعد هی شوابرن سے صلح کر لی ـ ایوان کوزمیچ نے ڈوئیل اڑنے پر مجھے برا بھلا کہا ـ اور کہا که «اوه پیوتر اندریےیچ! مجھے چاهئے که تمہیں گرفتار کر لوں، مگر تم پہلے هی کافی سزا بھگت چکے هو ـ الکسی ایوانووچ بسکٹ روٹی کی دوکان میں نظر بند هے اور وسیلیسا یگوروونا نے اس کی تلوار ضبط کر لی هے ـ تاکه وه ٹھنڈے دل سے اپنے گناهوں کو سوچے اور شرمنده هو ـ» میں اتنا خوش تھا که کسی کی طرف سے دل میں کوئی برائی، کوئی کینه نہیں رکھنا چاهتا تھا، چنانچه میں نے شوابرن کی وکالت کی اور نیک دل کپتان نے اپنی بیوی سے مشوره کرنیکے بعد شوابرن کو آزاد کر دیا ـ شوابرن مجھه سے ملنے آیا ـ اس نے گذشته واقعات کے سلسلے میں سخت شرمندگی کا اظہار کیا اور کہا که سارا قصور اسی کا تھا ـ اس نے مجھه سے کہا که میں گزری باتوں کو بھلا دوں ـ کسی کی طرف سے دل میں برائی رکھنا میری فطرت هی میں نه تھا ـ میں نے اسکی زیادتیوں اور اپنے زخم کو دل سے بھلا دیا اور اسے خلوص سے معاف کر دیا ـ میں نے سوچا که وه اس لئے افواهیں اڑاتا هے که اسکی

محبت ٹھکرائی گئی هے اور اس کے وقار کو دهکا پہنچا هے ـ میں نے کھلے دل سے اپنے آزرده خاطر رقیب کو معاف کر دیا ـ

جلد هی میں بالکل اچھا هو کر اپنے گھر جانیکے قابل هو گیا ـ میں بےتابی سے اپنے خط کے جواب کا انتظار کر رها تھا ـ مجھے کسی قسم کی خوش فہمی نہیں تھی ـ میں برابر برے برے اندیشوں کو بھلانے کی کوشش کرتا رها ـ میں نے ابھی تک وسیلیسا یگوروونا اور ان کے شوهر سے اپنے ارادے کا ذکر نہیں کیا تھا ـ لیکن مجھے یقین تھا که میرے جذبات پر انہیں کسی قسم کی حیرت نہیں هوگی ـ میں نے یا ماریا ایوانوونا نے ان سے اپنے جذبات چھپانے کی چنداں کوشش نہیں کی تھی ـ اور همیں ان کی رضامندی کا یقین تھا ـ

آخرکار ایک دن صبح هی صبح ساویلچ هاتھه میں ایک خط لئے هوئے آ هی گیا ـ میں نے بےتابی سے خط لیا ـ پته میرے ابا کا لکھا هوا تھا ـ اور اسے دیکھتے هی میں کسی حادثے کیلئے تیار هو گیا، کیونکه عام طور پر خط مجھے میری اماں لکھتی تھیں، ابا تو خط کے آخر میں چند سطریں کھینچ دیتے تھے ـ کافی دیر تک مجھے خط کھولنے کی همت نہیں هوئی اور میں یه عبارت پڑھتا رها ـ «اپنے بیٹے پیوتر اندریےیچ گرنیوف کے نام، بمقام قلعه بیلوگورسک ـ گوبرنیا اورنبرگ ـ» میں لکھائی کو دیکھه کر یه اندازه لگانے کی کوشش کرتا رها که میرے ابا نے خط کس ذهنی کیفیت میں لکھا هے ـ آخرکار میں نے لفافه کھولا، پہلی سطر پڑھتے هی میں نے سمجھه لیا که بنا بنایا کھیل بگڑ گیا هے ـ خط کی عبارت یه تھی:

«میرے بچے پیوتر!

اس مہینے کی پندرہ تاریخ کو تمہارا خط ملا، جس میں تم نے میرونوف کی بیٹی ماریا ایوانوونا سے اپنی شادی کے موقع پر ہماری دعائیں مانگی ہیں ـ نہ صرف یہ کہ میرا دور دور ارادہ نہیں ہے کہ تمہیں اسکی اجازت دوں، اور اپنی دعاؤں کی دولت سے مالامال کروں، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری ان نامعقول لونڈیار حرکتوں پر اچھی طرح تمہاری خبرلوں، تم نے اپنے افسر کے رتبےکی پرواہ نہیں کی، تم نے ثابت کر دیا کہ تم ابھی تک اس معزز تلوار کو باندھنے کے اہل نہیں ہو جو تمہیں اس لئے نہیں دی گئی کہ تم اپنے جیسے لاابالیوں سے ڈوئیل لڑتے پھرو ـ بلکہ مادروطن کی حفاظت کیلئے سونپی گئی ہے ـ میں ابھی اندری کارلووچ کو بھی خط لکھوں گا اور ان سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں بیلوگورسک قلعے سے بہت دور کہیں بھیج دیں ـ وہاں تمہاری سب حماقتوں کا خاتمہ ہو جائےگا ـ تمہاری اماں نے جب سے تمہاری لڑائی، اور زخمی ہونیکی خبر سنی ہے وہ اس غم میں بیمار ہو گئی ہیں اور جب سے صاحب فراش ہیں ـ تمہاری حرکتوں کا کیا انجام ہونا ہے؟ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ تم اب بھی سدھر جاؤ، حالانکہ مجھے امید نہیں ہے کہ خدا میرے حال پر اسقدر رحم کرےگا ـ

تمہارے والد اـ گ ـ»

خط کو پڑھ کر میرے دل میں طرح طرح کے جذبات ابھر آئے ـ میرے ابا نے جس بےرحمی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا اس نے میرے جذبات کو زخمی کر دیا ـ ماریا ایوانوونا کا انہوں نے جس ذلت سے ذکر کیا تھا وہ مجھے بہت نامناسب اور بالکل بے موقع معلوم ہوا ـ بیلوگورسک قلعے سے تبدیلی کے خیال سے میں کانپ اٹھا، مگر سب سے زیادہ پریشانی مجھے اماں کی بیماری کی خبر سے ہوئی ـ مجھے ساویلچ کی صورت سے نفرت آ رہی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میرے والدین کو ڈوئیل کی خبر اسی سے ملی ہے ـ پریشانی اور ہیجان کی حالت میں اس چھوٹے سے کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلتے ٹہلتے اس کے سامنے جاکر کھڑا ہو گیا، اور نہایت زہریلی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے میں نے کہا «تو تمہیں اس پر بھی چین نہیں آیا کہ میں تمہاری وجہ سے زخمی ہوا اور پورے ایک مہینے تک موت کے منہ میں رہا، تم میری ماں کو بھی مارنا چاہتے ہو ـ» ساویلچ دم بخود رہ گیا ـ «تم کیا کہہ رہے ہو مالک؟» اس نے سسکتے ہوئے کہا ـ «تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم میری وجہ سے زخمی ہوئے؟ خدا بہتر جانتا ہے، میں تو خود سینہ سپر ہوکر تمہیں الکسی ایوانووچ کی تلوار سے بچانے بھاگ رہا تھا ـ خدا غارت کرے میرے بڑھاپے کو جس کی وجہ سے رکاوٹ پڑی ـ اور میں نے تمہاری اماں کے ساتھ کیا کیا؟» «تم نے کیا کیا؟» میں نے کہا «تم سے کس نے کہا تھا کہ میرے خلاف مخبری کرو؟ کیا تمہیں میرے خلاف جاسوسی

کرنیکو چھوڑا گیا ہے؟» «میں نے تمہارے خلاف مخبری کی؟»
ساویلچ نے رو رو کر کہا ــ «آہ میرے خدا! اچھا لو، ذرا یہ
بھی پڑھ لو مالک نے مجھے کیا لکھا ہے، لو دیکھ لو میں نے
تمہاری کیا شکایت کی ہے ــ» یہ کہکر اس نے جیب سے ایک
خط نکالا، اور میں نے پڑھا:

«تمہیں شرم نہیں آتی، بوڑھے کتے، تم نے میرے سخت
احکام کے باوجود مجھے میرے بیٹے پیوتر اندریےیچ کے بارے
میں کچھ نہیں لکھا ــ غضب خدا کا اسکی بدعنوانیوں کی اطلاع
مجھے غیروں سے ملے ــ اپنا فرض اور اپنے مالک کے احکام
اس طرح پورے کئے جاتے ہیں؟ بوڑھے کتے، مجھ سے حقیقت
چھپانے اور اس چھوکرے سے سازش کرنیکے جرم میں میں تمہیں
سوروں کا گڈریا بنا دوں گا ــ خط دیکھتے ہی، مجھے اسکی صحت
کے بارے میں لکھو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اب قدرے بہتر
ہے ــ مجھے لکھو کہ اسکے کس جگہ زخم آیا تھا، اسکی اچھی
طرح دیکھ بھال ہو رہی ہے یا نہیں ــ»

ظاہر ہے ساویلچ نے میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی
تھی ــ مجھے اس پر شبہ کر کے اور اسے برا بھلا کہہ کے اس
طرح اس کی بےعزتی نہیں کرنی چاہئے تھی ــ میں نے اس سے
بہت بہت معافی مانگی مگر بچارے بڑے میاں کو کسی طرح
تسلی نہیں ہو رہی تھی ــ «میری قسمت میں یہی لکھا تھا ــ»
وہ کراہ اٹھا ــ «مالک نے مجھے یہ انعام دیا، میں کتا اور سوروں
کا گڈریا بن گیا، اور اب تمہاری نظر میں میں تمہارے زخم
کا ذمہ‌دار ہوں! نہیں پیوتر اندریےیچ، میرے ننھے مالک! مجھے

الزام نہ دو، اس کی تہہ میں وہ لعنتی موسیو ہے، اسی نے تمہیں
یہ سبق پڑھایا ہے کہ تلوار چلاتے پھرو اور تلوار تان کر بڑھ
بڑھ کر حملے کرو ــ گویا اس طرح تم کسی بدمعاش سے چھٹکارا
پا سکتے ہو! آخر انہوں نے موسیو کو کیوں ملازم رکھا اور
کیوں بےوجہ روپیہ برباد کیا!»

آخر کس پر مصیبت پڑی تھی کہ میرے اور میری حرکتوں
کے بارے میں میرے ابا کو لکھے؟ جنرل نے لکھا؟ مگر انہیں
تو میری ذات سے کوئی خاص دلچسپی معلوم نہیں ہوتی کہ وہ
لکھتے ــ اور ایوان کوزمیچ نے جنرل کو میری ڈوئیل کی اطلاع
دینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی ــ میں سوچ میں پڑ گیا ــ
مجھے رہ رہ کر شوابرن پر شبہ ہو رہا تھا ــ میری برائی کر کے،
اور اس طرح مجھے قلعے سے دور بھجوا کر اور کپتان کے
خاندان سے جداکروا کے صرف اسی کو فائدہ ہو سکتا تھا ــ
میں ماریا ایوانوونا کو یہ سب بتانے گیا ــ وہ مجھے دروازے ہی
میں مل گئی ــ «کیا بات ہے؟» اس نے مجھے دیکھتے ہی
بےتابی سے کہا «تم کتنے زرد ہو رہے ہو!» «میری دنیا لٹ
گئی!» میں نے کہا، اور اپنے ابا کا خط اسکے ہاتھ میں تھما
دیا ــ اور اب تو اسکا رنگ زرد پڑ گیا ــ پورا خط پڑھ کر
اسنے کانپتے ہاتھوں سے مجھے واپس کیا اور بھرائی ہوئی آواز
میں کہا «معلوم ہوتا ہے، ہماری قسمت میں یہ نہیں تھا... تمہارے
ماں باپ مجھے بہو بنانے پر تیار نہیں ہیں ــ خدا کی مرضی
میں کسکو چارا ہے! وہ بہتر جانتا ہے کہ ہماری بھلائی کس
میں ہے ــ اب کوئی صورت نہیں ہے، پیوتر اندریےیچ ــ تم

جہاں رہو خوش رہو...» «یہ نہیں ہو سکتا!» میں نے اسکا ہاتھہ تھام کر کہا «تم مجھہ سے محبت کرتی ہو، بس میں ہر خطرے کا مقابلہ کرنیکو تیار ہوں۔ آؤ، ہم تمہارے ماں باپ کے قدموں پر سر رکھہ دیں، وہ سیدھے سادھے لوگ ہیں، غرور و تکبر نے ان کے دلوں کو پتھر نہیں بنایا ہے۔ وہ ہم پر دعاؤں کی بارش کریں گے۔ اور ہماری شادی ہو جائےگی۔ اور پھر مجھے یقین ہے وقت گزرنے پر ابا کا دل بھی نرم پڑ جائےگا، اماں ضرور ہمارا ساتھہ دیں گی، اور ابا بھی مجھے معاف کردیں گے۔» «نہیں پیوتر اندرےیچ» ماشا نے جواب دیا «میں تمہارے ماں باپ کی اجازت کے بغیر ہرگز تم سے شادی نہیں کروں گی۔ ان کو ناراض کر کے تم دنیا میں خوش نہیں رہ سکتے۔ ہمیں خدا کی مرضی کے آگے سر جھکا دینا چاہئے۔ اگر تمہیں کوئی دلہن مل گئی، اگر تم کسی اور سے محبت کرنے لگے، تو میری دعائیں تمہارے ساتھہ ہیں، پیوتر اندرےیچ، میں تم دونوں کیلئے دعاکروں گی...» یہ کہتے کہتے وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی، مجھے چھوڑکر چلی گئی، میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسکے پیچھے پیچھے اسکے گھر میں جاؤں۔ لیکن یہ سوچ کر کہ میں اپنے دل پر قابو نہ رکھہ سکوں گا میں گھر چلا گیا۔

میں خیالات میں کھویا ہوا اپنے کمرے میں بیٹھا تھا کہ ساویلچ کی آمد نے مجھے چونکا دیا۔ «یہ دیکھئے جناب» اس نے مجھے ایک کاغذ دیا جس پر کچھہ لکھا ہوا تھا۔ «لو دیکھہ

لو میں کیسے اپنے مالک کے خلاف جاسوسی کرتا ہوں، اور کیسے باپ بیٹے میں کشیدگی پیدا کرنا چاہتا ہوں۔» میں نے اس کے ہاتھہ سے کاغذ لے لیا۔ ساویلچ کو جو خط موصول ہوا تھا، یہ اسی کا جواب تھا۔ لیجئے میں لفظ بہ لفظ پورا خط لکھتا ہوں:

«معظم و مکرم مالک جناب اندری پیترووچ!

مجھے آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جس میں آپ نے اپنے اس غلام سے خفگی کا اظہار فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ مجھے اپنے آقا کے حکم کی خلاف ورزی کرنے پر شرم آنی چاہئے۔ میں کتا نہیں ہوں مالک، میں تو آپکا فرماں بردار غلام ہوں۔ میں نے ہمیشہ اپنے مالک کا حکم مانا ہے اور ہمیشہ دل لگا کر آپکی خدمت کی ہے، آپکی خدمت کرتے کرتے تو میرے بال سفید ہو گئے مالک۔ میں نے تو پیوتر اندرےیچ کی بیماری کے بارے میں اس لئے آپکو کچھہ نہیں لکھا کہ بے سبب آپکو پریشانی نہ ہو اور وہی ہوا، ہماری محترم مالکن اودوتیا وسیلےونا پریشانی کی وجہ سے بیمار پڑ گئیں، خدا ان کو صحت عطا کرے۔ پیوتر اندرےیچ کے دائیں شانے کی ہڈی کے نیچے سینے پر زخم آیا تھا۔ زخم ڈیڑھہ انچ گہرا تھا۔ ہم انہیں دریا کے کنارے سے اٹھا کر کپتان کے گھر لے آئے اور وہ وہیں رہے۔ وہ مقامی حجام ستیپان پاراموںوف کے زیر علاج ہیں۔ اور خدا کا شکر ہے پیوتر اندرےیچ اب بالکل بھلے چنگے ہو گئے ہیں۔

میں ان کی جتنی تعریف کروں کم ہے ۔ میں نے سنا ہے کہ ان کے حکام اعلیٰ ان سے خوش ہیں ۔ اور وسیلیسا یگوروونا تو انہیں بیٹے کی طرح چاہتی ہیں ۔ تو اگر وہ ایک غلطی ہی کر بیٹھے تو ایسا کیا ہے ۔۔ آخر تو وہ ابھی بچے ہیں، بڈھوں کی سی عقل کہاں سے لائیں ۔ گھوڑے کے تو چار ٹانگیں ہوتی ہیں تب بھی وہ کبھی نہ کبھی ٹھوکر کھاتا ہے ۔ آپ نے فرمایا ہے کہ آپ مجھے سوروں کا گڈریا بنا دیں گے ۔ آپ مالک ہیں، جو بہتر سمجھیں وہی کیجئے، اپنے اس غلام کا دست بستہ آداب قبول کیجئے ۔

آپکا وفادار خادم

ارھیپ ساویلچ »

ان نیک دل بڑے میاں کا خط پڑھتے ہوئے کئی دفعہ میرے چہرے پر مسکراہٹ آ ہی گئی ۔ میری ذہنی کیفیت ایسی نہیں تھی کہ میں ابا کے خط کا جواب دے سکتا، میں نے سوچا کہ ساویلچ کے خط سے اماں کی پریشانی دور ہو جائے گی ۔

اور اس کے بعد میری زندگی بدلتی چلی گئی ۔ ماریا ایوانوونا بمشکل مجھ سے ایک ادھ بات کرتی، وہ حتی الامکان مجھ سے دور دور رہنے کی پوری کوشش کرتی ۔ کپتان کے گھر میں اب میرے لئے کوئی دلکشی، کوئی حسن نہیں رہا ۔ اور رفتہ رفتہ میں گھر میں اکیلے بیٹھے رہنے کا عادی ہو گیا ۔ شروع شروع میں تو وسیلیسا یگوروونا نے اس پر مجھے بہت ڈانٹا، مگر پھر میری ضد اور ہٹ دیکھ کر مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا ۔ ایوان کوزمیچ سے میں صرف کام کے وقت ملتا ۔ شوابرن سے میں بہت کم کبھی کبھار ملتا، اور وہ بھی بادل ناخواستہ ۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ وہ دل ہی دل میں مجھ سے نفرت کرتا ہے، اور اس طرح میرے شبہات اور بھی پختہ ہو گئے ۔ میری زندگی اجیرن ہو گئی ۔ میرے دل پر غم و ناامیدی کے بادل چھا گئے ۔ میری بیکاری اور تنہائی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ۔ تنہائی میں میری محبت جنون کی حد تک بڑھ گئی، اور میرے لئے روز بروز زیادہ تکلیف دہ ہوتی چلی گئی ۔ مجھے لکھنے پڑھنے میں بھی کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی ۔ میں یاس و ناامیدی کا شکار ہو گیا ۔ مجھے ڈر تھا کہ یا تو میں پاگل ہو جاؤں گا، یا شراب نوشی کے دلدل میں پھنس جاؤں گا ۔ اور پھر ایک ایسے واقعہ نے جسکا مجھے خواب میں بھی خیال نہیں تھا، اور جس نے میری پوری زندگی پر اثر ڈالا، یکایک میرے ذہن کو شدید مگر کار آمد صدمہ پہنچایا ۔

چھٹا باب

پوگاچیف اور اُس کے ساتھی

سنو، اے نوجوانو سنو،
ہم اگلے وقتوں کے لوگ کیا کہہ
رہے ہیں — (۹)

ایک قدیم گیت

اس سے پہلے کہ میں چند عجیب و غریب واقعات کا آنکھوں دیکھا حال سناؤں، میں چاھتا ھوں کہ ۱۷۷۳ء کے آخر میں صوبۂ اورن‌برگ کے حالات کے بارے میں کچھہ بتاؤں —

اس وسیع اور قدرتی دولت سے مالامال علاقے میں کئی ایسی نیم وحشی قومیں آباد تھیں جنہوں نے حال ھی میں روسی شہنشاہ زار کی اطاعت قبول کی تھی — وہ مستقل بغاوت کرتی رھتیں — یہ لوگ تہذیب یافتہ زندگی کے طور طریقے اپنا نہ سکے، اور اس لئے ان ظالم اور بے لگام قوموں کو قابو میں رکھنے کے لئے حکومت کو مسلسل ان پر نظر رکھنی پڑتی — مناسب جگہوں میں قلعے تعمیر کروائے گئے تھے اور عام طور پر قضاق جو مدتوں سے دریائے یائیک کے کنارے آباد تھے، ان علاقوں میں بسا دئیے گئے تھے — لیکن خود وہ یائیک قضاق، جو ان علاقوں کی سلامتی اور امن کے ذمہ‌دار تھے، کچھہ عرصے سے سرکشی پر آمادہ تھے اور حکومت کیلئے خطرے کا سبب بنے ھوئے تھے — ۱۷۷۲ء میں ان کے خاص گڑھہ میں بغاوت نے سر اٹھایا تھا — یہ بغاوت ان سخت اقدام کا نتیجہ تھی جو فوج کو سرنگوں رکھنے کیلئے میجر جنرل تراؤبن برگ نے اٹھائے تھے — اس بغاوت کا انجام یہ ھوا کہ تراؤبن برگ کو نہایت وحشیانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا — قضاق فوج کے نظم ونسق میں کچھہ من مانی تبدیلیاں کی گئیں، اور انجام کار گولی بارود اور خوفناک سزاؤں کی مدد سے بغاوت کچل دی گئی —

یہ واقعہ میرے بیلوگورسک قلعے میں آنے سے کچھہ ھی پہلے ھوا تھا — اب حالات ٹھیک ٹھاک تھے، کم از کم بظاھر تو ٹھیک ھی معلوم ھوتے تھے — حکام نے بہت آسانی سے ان چالاک باغیوں کی ظاھری پشیمانی پر یقین کر لیا، حالانکہ وہ کینہ اور عداوت کو دل میں چھپائے ھوئے نئے سرے سے گڑبڑ کرنیکے لئے مناسب موقع کی تاک میں بیٹھے تھے —

لیجئے اب میں اپنی کہانی کی طرف پلٹتا ھوں —

شام کا وقت تھا (اکتوبر ۱۷۷۳ء کی شروع تاریخوں کی بات ھے) — میں اپنے کمرے میں تنہا بیٹھا خزاں کی ھواؤں کی سائیں سائیں سن رھا تھا — اور چاند کے اردگرد منڈلاتے ھوئے بادل کے ٹکڑوں کو دیکھہ رھا تھا — اتنے میں ایک شخص مجھے کپتان کے گھر بلانے آیا — میں فوراً ان کے مکان

پر پہنچا ـ شوابرن، ایوان ایگناتیچ اور قضاق سارجنٹ بھی
وہاں موجود تھے ـ مگر نہ وسیلیسا یگوروونا نظر آئیں نہ ماریا
ایوانوونا ـ کپتان نے میرا سلام قبول کیا ـ وہ کسی خیال میں
غرق تھے ـ اس کے بعد انہوں نے دروازہ بند کر لیا ـ اور
ہم سب سے بیٹھنے کو کہا ـ البتہ سارجنٹ کو دروازے کے
قریب کھڑا کر دیا گیا ـ انہوں نے اپنی جیب سے ایک کاغذ
نکالتے ہوئے کہا «آپ لوگوں کیلئے چند اہم خبریں! سنئے،
جنرل نے کیا لکھا ہے ـ» یہ کہکر انہوں نے عینک لگائی اور
مندرجہ ذیل عبارت پڑھی:

«بیلوگورسک قلعے کے حاکم، کپتان میرونوف کے نام ـ
بہ صیغۂ راز!

اطلاعاً تحریر ہے کہ دریائے دان کا ایک فرقہ پرست
قضاق یمیلیان پوگاچیوف قید سے نکل بھاگا ہے اور خود کو مرحوم
شہنشاہ پیوتر سوئم ظاہر کرنیکی ناقابل معافی حرکت کر رہا
ہے ـ اس نے سرکش گروہوں کو اکٹھا کر کے یائیک بستیوں
میں بغاوت کرا دی ہے ـ وہ کئی قلعوں پر قبضہ کر کے انہیں
بیکار کر چکا ہے ـ ہر جگہ قتل اور لوٹ مار کا بازار گرم
ہے ـ چنانچہ کپتان صاحب اس خط کو دیکھتے ہی آپ فوراً
اس مجرم اور بدمعاش کا مقابلہ کرنیکے لئے ضروری قدم اٹھائیے،
اور اگر وہ آپکے زیر نگرانی قلعے پر حملہ کرے تو حتی
الامکان اسے نیست و نابود کرنے کی تیاری کیجئے ـ»

«مناسب انتظام کرو!» کپتان نے عینک اتارکر خط تہہ کرتے
ہوئے دوہرایا ـ «کہنا آسان ہے ـ کرنا مشکل ہے! بدمعاش
غالباً کافی طاقت‌ور ہے ـ قضاقوں کو چھوڑ کر، جن پر اب
کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، سردست ہمارے پاس صرف
ایک سو تیس آدمی ہیں ـ میکسیمچ میں تمہاری دل آزاری
نہیں کر رہا!» (سارجنٹ مسکرایا) «بہر حال اس کے سوا کوئی
چارہ نہیں ہے ـ اپنے فرائض تندہی سے پورے کرو ـ رات
کیلئے پہرے اور گشت کا معقول انتظام کرو، حملے کی صورت
میں پھاٹک بند رکھو، اور سپاہیوں کو میدان میں لے آؤ ـ
اور میکسیمچ تم اپنے قضاقوں پر کڑی نظر رکھو ـ توپ کو
اچھی طرح دیکھہ بھال لینا چاہئیے، اور اسکی صفائی کر لینی
چاہئیے ـ اور سب سے زیادہ یہ کہ ان تمام باتوں کو راز رکھو،
تاکہ وقت سے پہلے قلعے میں کسی کو کچھہ معلوم نہ ہونے
پائے ـ»

یہ سب ہدایتیں دے کر ایوان کوزمیچ نے ہمیں رخصت
کر دیا ـ میں اور شوابرن اسی مسئلے پر بات چیت کرتے ہوئے
ساتھہ ساتھہ باہر آئے ـ «کیا خیال ہے تمہارا اسکا کیا انجام
ہوگا؟» میں نے پوچھا ـ «خدا جانے» اس نے جواب دیا «دیکھیں
کیا ہوتا ہے ـ فی الحال تو میرے خیال میں کوئی خاص
خطرے کی بات نہیں ہے ـ لیکن اگر...» یہ کہتے کہتے وہ
سوچ میں پڑ گیا اور بے خیالی میں ایک فرانسیسی دھن
گنگنانے لگا ـ

ہماری پوری کوششوں کے باوجود پوگاچیوف کے حملے کی خبر تمام قلعے میں پھیل گئی – ایوان کوزمیچ اپنی بیوی کی بہت عزت کرتے تھے، لیکن وہ کسی قیمت پر ایک ایسا فوجی راز ان تر ظاہر نہ کرتے، جو انہیں فرائض کے سلسلے میں بتایا گیا تھا – خط ملتے ہی انہوں نے بہت ترکیب سے وسیلیسا یگوروونا سے چھٹکارا حاصل کر لیا – انہوں نے بیوی کو بتایا کہ فادر گراسیم کو اورن برگ سے کچھ عجیب و غریب خبریں ملی ہیں، جنہیں وہ ہر کسی سے چھپا رہے ہیں – یہ سنتے ہی وسیلیسا یگوروونا پادری کی بیوی سے ملنے کیلئے بے تاب ہو گئیں – اور وہ ایوان کوزمیچ کے مشورے پر ماشا کو بھی ساتھ لے گئیں کہ کہیں بچی بعد میں تنہائی نہ محسوس کرے –

ایوان کوزمیچ نے دیکھا کہ اب گھر پر ان کی حکمرانی ہے، چنانچہ انہوں نے فوراً ہم لوگوں کو بلوایا اور پالاشا کو گودام میں بند کر دیا، کہیں دروازے سے کان لگا کر وہ کچھ سن گن نہ پالے –

وسیلیسا یگوروونا پادری کی بیوی سے کچھ اگلوا لینے میں ناکام ہو کر گھر پلٹیں تو انہیں پتہ چلا کہ ان کی غیر موجودگی میں ایوان کوزمیچ نے فوجی مشورے کئے ہیں اور اس دوران میں پالاشا کو مقفل کر دیا گیا تھا – انہوں نے بھانپ لیا کہ ان کے شوہر نے ان سے یہ چال چلی تھی – چنانچہ انہوں نے کرید کرید کر میاں سے باتیں پوچھنی شروع

کیں – لیکن ایوان کوزمیچ اس حملے کیلئے تیار تھے – وہ ذرا نہیں گھبرائے، اور بڑے اطمینان سے اپنی متجسس شریک حیات کو دلچسپ جواب دیتے رہے – «پیاری، میں کہہ تو رہا ہوں کہ قلعے کی عورتوں نے چولہے میں بھوسہ جلانا شروع کر دیا تھا، کیونکہ اس سے آگ واگ لگ جانے کا خطرہ تھا اس لئے میں نے سخت ممانعت کر دی ہے کہ آئیندہ وہ بھوسہ نہ جلائیں بلکہ لکڑیاں چھپٹیاں وغیرہ استعمال کریں –» «اور پالاشا کو مقفل کرنے کی کیا مصیبت تھی؟» ان کی بیوی نے پوچھا – «اس غریب نے تمہارا کیا بگاڑا تھا کہ وہ ہماری واپسی تک گودام میں بند رہی؟» ایوان کوزمیچ اس سوال کے لئے بالکل تیار نہیں تھے – انہوں نے منہ ہی منہ میں کچھ بے معنی سے جملے کہے – وسیلیسا یگوروونا اپنے شوہر کی دورنگی کو سمجھ گئیں مگر وہ جانتی تھیں کہ وہ ان سے کچھ معلوم نہیں کر سکیں گی، لہذا پھر انہوں نے کچھ نہیں پوچھا بلکہ بات کا رخ ہی بدل دیا – انہوں نے نمکین کھیروں کا ذکر شروع کر دیا جو اکولینا پامفی لوونا نے کسی خاص ترکیب سے تیار کئے تھے – وسیلیسا یگوروونا کو تمام رات نیند نہیں آئی، انکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسی کیا بات ہے جو ان کے شوہر کو معلوم ہے، لیکن جو انہیں نہیں بتائی جا سکتی –

اگلے دن صبح کے وقت گرجا سے گھر آتے ہوئے انہوں نے دیکھا کہ ایوان ایگناتیچ توپ سے پرانے چیتھڑے، کنکر

پتھر، چھپٹیاں اور ھڈیاں غرض بچوں کی ٹھونسی ھوئی سب بیکار چیزیں نکال رھا ھے۔ «آخر ان فوجی تیاریوں کا کیا مطلب ھے؟» کپتان کی بیوی نے آپنے آپ سے سوال کیا۔ «کہیں ایسا تو نہیں ھے کہ انہیں پھر کرغیزیوں کے حملے کا اندیشہ ھے؟ مگر بھلا ایوان کوزمیچ ایسی چھوٹی موٹی باتوں کو مجھ سے کیا چھپائیں گے؟» انہوں نے ایوان ایگناتیچ سے، یہ راز جو انکے نسوانی تجسس کو تڑپا رھا تھا اگلوا لینے کا پکا ارادہ کر کے ایوان ایگناتیچ کو سلام کیا۔

جس طرح مجسٹریٹ کسی قیدی کو بےخیالی میں پکڑنے کی غرض سے، اس سے جرح کرتے ھوئے غیرمتعلق باتیں پوچھتا ھے، اسی طرح وسیلیسا یگوروونا نے بھی پہلے اس سے گھریلو باتیں کیں۔ پھر چند لمحے خاموش رھنے کے بعد لمبا سانس لیکر سر ھلاتے ھوئے کہا: «میرے خدا، اف میرے خدا! کسقدر بری خبر ھے! نہ معلوم اس کا کیا انجام ھوگا؟»

«پریشان نہ ھوئیے مادام!» ایوان ایگناتیچ نے جواب دیا۔ «خدا بہت رحیم ھے۔ ھمارے پاس بہت سے سپاھی ھیں، اور ڈھیروں گولہ بارود ھے۔ اور میں نے توپ بھی صاف کر لی ھے۔ ھم آج پوگاچیوف کو شکست دے سکتے ھیں۔ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے!»

«اور یہ پوگاچیوف کس قماش کا آدمی ھے؟» وسیلیسا یگوروونا نے پوچھا۔ ایوان ایگناتیچ نے دانتوں تلے زبان دبالی، اب اسے احساس ھوا کہ اس نے سارا راز فاش کر دیا ھے۔

مگر اب تو چڑیا اڑ چکی تھی۔ وسیلیسا یگوروونا نے وعدہ کیا کہ وہ کسی سے کچھ نہیں کہیں گی، اور اس سے سب کچھ اگلوا لیا۔

وسیلیسا یگوروونا اپنے وعدے پر قائم رھیں، انہوں نے پادری کی بیوی کے سوا کسی سے کچھ نہیں کہا، اور ان سے بھی اس لئے کہا کہ ان کی گائے ابھی تک صحراؤں میں ماری ماری پھر رھی تھی، ممکن تھا وہ باغیوں کے ھتھے چڑھ جاتی۔

جلد ھی جسے دیکھئے وہ پوگاچیوف کے متعلق بات کر رھا ھے۔ طرح طرح کی افواھیں پھیل گئیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کپتان نے قضاق سارجنٹ کو قرب و جوار کے تمام گاؤوں اور قلعوں میں بھیجا تاکہ وہ وھاں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر سکے۔ میکسیمچ دو دن بعد واپس آیا۔ اس نے بتایا کہ اس نے قلعے سے تقریباً ساٹھ ورسٹ کے فاصلے پر بہت سی روشنیاں دیکھی ھیں اور بشکریوں سے سنا ھے کہ بہت بڑی فوج بڑھ رھی ھے۔ بہر حال وہ یقین سے کوئی بات نہیں کہہ سکتا تھا، کیوں کہ اسے اس سے آگے جانے کی ھمت ھی نہیں ھوئی تھی۔

قلعے کے قضاقوں میں غیر معمولی حد تک بےچینی پھیلی ھوئی تھی۔ وہ ھر گلی کوچے میں ٹولیوں میں کھڑے کھسر پھسر کرتے نظر آتے، اور کسی سوار یا فوجی سپاھی کو دیکھتے ھی تتر بتر ھو جاتے۔ ان کے درمیان جاسوس چھوڑ دئے گئے

تھے۔ کالمک قوم کا ایک شخص یولائی، جس نے عیسائی
مذہب قبول کر لیا تھا، کپتان کے پاس کچھ اہم خبریں لایا۔
یولائی کے بیان کے مطابق سارجنٹ کا بیان غلط تھا — واپسی
پر اس مکار قضاق نے اپنے ساتھیوں کو بتایا تھا کہ وہ باغیوں
کے پاس گیا، اور ان کے سردار کے سامنے حاضر ہوا۔ سردار نے
اسے اپنے ہاتھ پر بوسہ دینے کی اجازت دی اور بہت دیر تک
اس سے بات چیت کی۔ کپتان نے فوراً سارجنٹ کو نظر بند
کر دیا، اور یولائی کو اس کی جگہ مقرر کر دیا گیا۔ ظاہر
ہے اس خبر کو سن کر قضاقوں میں بہت بے چینی پھیل گئی۔
انہوں نے بہ آواز بلند اپنی بے چینی کا اظہار شروع کر دیا۔
ایوان ایگناتیچ نے، کپتان کی ہدایتوں پر عمل کرنے کے دوران
میں، خود اپنے کانوں سے سنا کہ انہوں نے کس بے باکی سے
کہا «ابکے تمہاری باری ہے۔ فوجی چوھے!» کپتان کا ارادہ
تھا کہ اسی دن اپنے قیدی سے جرح کریں گے۔ مگر سارجنٹ
قید سے نکل بھاگا۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں ہو سکتا
کہ اسکے ساتھیوں نے فرار ہونے میں اسکی مدد کی ہوگی۔

ایک اور واقعے نے کپتان کی پریشانی کو دوچند کر دیا۔
ایک بشکیر چند باغیانہ کاغذات کے ساتھ پکڑا گیا۔ کپتان
نے پھر اپنے افسروں کو جمع کرنیکا ارادہ کیا، اور وسیلیسا
یگوروونا کو پھر کسی بہانے کہیں چلتا کرنے کی ٹھانی۔ مگر
ایوان کوزمیچ، جو دنیا کے سب سے زیادہ سیدھے اور سچے
آدمی تھے، اسی بہانے کے سوا کچھ نہ سوچ سکے، جو پہلے
بھی وہ استعمال کر چکے تھے۔

«میں نے کہا وسیلیسا یگوروونا» انہوں نے کھنکھارتے ہوئے
کہا «کہتے ہیں فادر گراسیم کو شہر سے کچھ خبریں...» «بس
بس بہت دھوکا دے چکے ایوان کوزمیچ» وسیلیسا یگوروونا نے
ٹوکا۔ «تم خوب جانتے ہو کہ میری غیر موجودگی میں تم
یمیلیان پوگاچیوف کے بارے میں فوجی مشورے کرنا چاہتے
ہو۔ اس دفعہ تم اس آسانی سے مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔»
ایوان کوزمیچ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ «اچھا
میری جان» انہوں نے کہا «جب تم سب کچھ جانتی ہی ہو، تو
تم چاہو تو ٹھہر جاؤ۔ ہم تمہارے سامنے بات کر لیں گے۔»
«یہ بات ہوئی» انہوں نے جواب دیا۔ «تم دھوکے بازی میں
بالکل کورے ہو۔ افسروں کو بلواؤ۔»

ہم پھر جمع ہوئے۔ ایوان کوزمیچ نے اپنی بیوی کی
موجودگی ہی میں، پوگاچیوف کی اپیل پڑھی۔ یہ اپیل غالباً
تھوڑی بہت شدھ بدھ رکھنے والے کسی قضاق کی لکھی ہوئی
تھی۔ بدمعاش نے اعلان کیا تھا کہ وہ عنقریب ہمارے قلعے
میں آنے والا ہے۔ اس نے قضاقوں اور سپاہیوں کو اپنے گروہ
میں شامل ہونیکی دعوت دی تھی۔ اور افسروں کو موت کی
دھمکی دے کر صلاح دی تھی کہ وہ مقابلے کی جرائت نہ
کریں۔ یہ اپیل بہت بھونڈے مگر موثر انداز میں لکھی گئی
تھی، غالباً سیدھے سادے لوگوں کے دل پر اس کا بہت اثر ہوگا۔

«بدمعاش!» کپتان کی بیوی نے کہا «ذرا اسکی ہمت تو
دیکھو، ہمارے سامنے ایسی تجویزیں پیش کرتا ہے! کیا خوب!

ہم اس کا سواگت کریں، اور اپنے جھنڈے اسکے قدموں پر
رکھہ دیں! پا جی! کیا وہ نہیں جانتا کہ ہم چالیس سال سے
فوجی ملازمت کر رہے ہیں، اور ایسے ایسے بہت واقعات دیکھہ
چکے ہیں؟ بھلا کوئی افسر کاہے کو ان چور اچکوں کی بات
سنے گا ۔»

«ہم ایسا نہیں سمجھتے» ایوان کوزمیچ نے جواب دیا
«مگر کہتے ہیں کہ بدمعاش کئی قلعوں پر قبضہ کر چکا ہے ۔»

«معلوم ہوتا ہے وہ کافی طاقتور ہے» شوابرن نے کہا ۔

«ہم ابھی اسکی طاقت کا اندازہ کر لیں گے» قلعے کے
حاکم نے کہا «وسیلیسا یگوروونا مجھے گودام کی کنجی دو ۔
ایوان ایگناتیچ تم اس بشکیر کو یہاں لاؤ اور یولائی سے کہو
وہ بھی اپنا کوڑا لیکر آ جائے ۔»

«ذرا ٹھیرو ایوان کوزمیچ» وسیلیسا یگوروونا نے اٹھتے ہوئے
کہا «میں ماریا ایوانوونا کو کہیں اور لے جاؤں ۔ وہ چیخیں
سن کر ڈر جائے گی ۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں خود
بھی اس پوچھہ گچھہ کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی ۔ خدا
تمہاری مدد کرے!»

پرانے زمانے میں عدالتی کارروائی میں ایذا رسانی اسقدر عام
تھی، کہ اس اصول کو ختم کرنیکے لئے جو نیک قانون بناء
مدتوں اسکا کوئی اثر نہ ہوا ۔ اس زمانے میں مجرم کا جرم
ثابت کرنے کیلئے اسکا اقبال جرم کر لینا ضروری سمجھا جاتا
تھا ـــ اور یہ خیال صرف بے بنیاد ہی نہیں تھا ۔ بلکہ صحیح

اصولی تقاضوں کے خلاف بھی تھا ۔ کیونکہ اگر ملزم کا جرم
سے انکار کرنا اس کے بے گناہ ہونیکا ثبوت نہیں سمجھا جا
سکتا، تو اس کے اقبال جرم کر لینے کو اسکے جرم کا ثبوت
سمجھہ لینے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ۔ میں دیکھتا ہوں کہ
بعض بڑے بوڑھے ججوں کو آج تک اس ظالمانہ طریقے کے
ختم ہونیکا افسوس ہے ۔ ہمارے زمانے میں تو ظلم و تشدد کی
اہمیت سے کسی کو کوئی انکار ہو ہی نہیں سکتا تھا ۔ نہ
ججوں کو نہ ملزموں کو ۔ چنانچہ قلعے کے حاکم کی ہدایتوں
سے ہم میں سے کسی کو کوئی حیرت نہیں ہوئی ۔ ایوان
ایگناتیچ بشکیر کو لینے چلا گیا، جو گودام میں بند تھا، جس
کی کنجی کپتان کی بیوی کے پاس رہتی تھی ۔ چند لمحے بعد
قیدی دروازے میں داخل ہوا ۔ کپتان نے حکم دیا کہ اسے اندر
لایا جائے ۔

بشکیر کے پاؤوں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں، اس نے
بمشکل دہلیز کو پار کیا، وہ اپنی اونچی ٹوپی اتار کر دروازے
کے قریب کھڑا ہو گیا ۔ اسے دیکھتے ہی میری رگوں میں
خون جم گیا ۔ میں اس شخص کو کبھی نہیں بھول سکتا ۔ وہ
ستر سال سے بھی کچھہ اوپر معلوم ہوتا تھا ۔ اسکے چہرے
پر ناک کان کچھہ بھی نہ تھا ۔ اسکا سر منڈا ہوا تھا ۔ اسکی
ٹھوڑی پر ڈاڑھی کے بجائے چند سفید بال جھول رہے تھے ۔
اسکا قد چھوٹا، جسم دبلا اور کمر جھکی ہوئی تھی، مگر اسکی
تنگ آنکھوں میں ابھی تک غیر معمولی چمک باقی تھی ۔

«اوهو» قلعے کے حاکم نے ان خوفناک نشانوں سے ۱۷٤۱ء کے اس سزا یافته باغی(۱۰) کو پہچان لیا ـ «اب سمجھا، تم تو پرانے گیڈر هو ـ تم پہلے بھی همارے دام میں پھنس چکے هو ـ تمہارا سر جس طرح صاف کیا گیا هے اسے دیکھه کر اندازه هوتا هے که تمہاری عمر گزری هے اسی دشت کی سیاحی میں، قریب آؤ، بتاؤ، تمہیں یہاں کس نے بھیجا؟»

بوڑها بشکیر ایک لفظ کہے بغیر قلعے کے حاکم کو خالی خالی نظروں سے دیکھتا رها ـ «بولتے کیوں نہیں؟» ایوان کوزمیچ نے کہا ـ «کیا تم روسی نہیں سمجھتے؟ یولائی اس سے اپنی زبان میں پوچھو، اسے همارے قلعے میں کس نے بھیجا؟»

یولائی نے تاتاری زبان میں کپتان کا سوال دهرایا مگر بشکیر اسکی طرف بھی انہیں نظروں سے دیکھتا رها مگر بولا کچھه نہیں ـ

«بہت اچھا!» قلعے کے حاکم نے کہا «ابھی بولوگے تم! لڑکو اسکے یه بے هوده دهاری دار کپڑے اتار پھینکو، اور اسکی کمر پر کوڑے برساؤ ـ هاں خوب اچھی طرح، یولائی!»

دو بوڑھے سپاهی بشکیر کے کپڑے اتارنے لگے ـ بد قسمت آدمی کے چہرے سے پریشانی کا اظہار هو رها تھا ـ وه کسی ایسے ننھے سے جانور کی طرح ادهر ادهر دیکھه رها تھا جو بچوں کے هاتھه پڑ گیا هو ـ لیکن جب ایک سپاهی نے قیدی کے هاتھه اپنے کندھوں پر رکھه کر اسے کمر کے بل هوا میں معلق کر دیا اور یولائی نے کوڑا اٹھا کر گھمایا تو بشکیر سر

جھکا کر کمزور اور رحم طلب آواز میں کراه اٹھا ـ اس نے اپنا منه کھول دیا جس میں زبان کے بجائے گوشت کا ایک لوتھڑا کانپ اٹھا ـ

جب میں سوچتا هوں که یه سب میں اپنی آنکھوں سے دیکھه چکا هوں اور جب سوچتا هوں که میں نے اپنی زندگی میں شہنشاه الیکزاندر کا منصفانه دور(۱۱) بھی دیکھه لیا تو میں تعلیمی ترقی، اور انسانی اصولوں کی ترقی کی تیز رفتار دیکھه کر دنگ ره جاتا هوں ـ نوجوانوں، اگر میری یه چند سطریں کبھی تمہارے هاتھه پڑ جائیں تو یاد رکھنا که بہترین اور سب سے زیاده دیرپا تبدیلیاں وهی هیں، جو کسی ایسے انقلاب کی وجه سے نہیں هوئیں جو تلوار کے زور پر هوا هو، بلکه اخلاقی اصولوں میں ترقی کی وجه سے هوئی هیں ـ

هم سب دم بخود ره گئے ـ «اچھا» کپتان نے کہا ـ «معلوم هوتا هے هم اس سے کوئی خاص بات نہیں اگلوا سکتے ـ یولائی اسے گودام میں واپس لے جاؤ ـ بھائیو، ابھی همیں اور کئی مسائل پر بات کرنی هے ـ»

هم اپنی حالت کے متعلق بات چیت شروع هی کر رهے تھے که وسیلیسا یگوروونا کمرے میں گھسیں ـ ان کا دم پھول رها تھا، اور چہرے سے انتہائی پریشانی کا اظہار هو رها تھا ـ

«کیا بات هے؟» قلعے کے حاکم نے حیرت سے پوچھا ـ

«بہت بری خبر هے پیارے!» وسیلیسا یگوروونا نے جواب دیا ـ «آج صبح نچلی جھیل کے قلعے پر قبضه هو گیا ـ فادر

گراسیم کا ملازم ابھی ابھی وہاں سے آیا ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے قبضہ ہوتے دیکھا۔ کپتان اور دوسرے تمام افسروں کو پھانسی دے دی گئی۔ تمام سپاہیوں کو قید کر لیا گیا، ہم سانس بھی نہ لینے پائیں گے کہ بدمعاش یہاں پہنچ لیں گے۔»

یہ غیرمتوقع خبر سن کر مجھے بہت حیرت اور دکھ ہوا۔ میں نچلی جھیل کے قلعے کے حاکم سے واقف تھا۔ وہ ایک منکسر مزاج جوان تھا۔ دو ہی مہینے ہوئے اورن برگ سے آتے ہوئے اپنی نوجوان بیوی کے ساتھ وہ ایوان کوزمیچ کے ہاں ٹھیرا تھا۔ نچلی جھیل کا قلعہ ہمارے قلعہ سے حد سے حد پندرہ میل کے فاصلے پر تھا۔ اب تو پوگاچیوف کسی لمحے بھی حملہ کر سکتا تھا۔ میرے ذہن میں ماریا ایوانوونا کی قسمت کی دھندلی سی تصویر ابھری، اور میرا دل ڈوبنے لگا۔

«ایوان کوزمیچ!» میں نے کپتان سے کہا۔ «ہم سب جانتے ہیں، کہ ہمارا فرض ہے کہ اپنے آخری سانس تک قلعے کی حفاظت کریں۔ لیکن سب سے پہلے ہمیں عورتوں کی حفاظت کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ اگر راستہ ابھی تک محفوظ ہے تو انہیں اورن برگ یا اور کہیں دور کسی محفوظ قلعے میں بھیج دیجئے جو بدمعاشوں کی پہنچ سے باھر ہو۔»

ایوان کوزمیچ نے اپنی بیوی کی طرف پلٹتے ہوئے کہا۔ «پیاری سنو کیا واقعی یہ بہتر نہ ہوگا کہ جب تک ہم باغیوں کو ٹھکانے لگائیں جب تک ہم تمہیں کہیں دور بھیج دیں؟»

«بکواس!» انہوں نے جواب دیا «کونسا قلعہ ہے جو گولے بارود سے محفوظ ہے؟ اور بیلوگورسک ہی میں کیا برائی ہے؟ خدا جانتا ہے ہم بائیس سال سے یہاں ہیں۔ ہم نے بشکیریوں اور کرغیزیوں کو بھی دیکھا ہے۔ خدا نے چاہا تو پوگاچیوف بھی ہمارا بال بیکا نہ کر سکے گا۔»

«اچھا میری پیاری» ایوان کوزمیچ نے کہا «اگر تمہیں قلعے پر پورا بھروسہ ہے تو یہیں ٹھیر جاؤ۔ مگر ماشا کا کیا کریں؟ اگر ہم پوگاچیوف کو مار بھگائیں، یا ہمارے پاس کمک پہنچ جائے، تب تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر انہوں نے قلعہ جیت لیا تو؟»

کیوں، پھر...» وسیلیسا یگوروونا نے انتہائی اضطراب کے عالم میں بات ادھوری چھوڑ دی۔

«نہیں وسیلیسا یگوروونا» یہ دیکھ کر کہ شاید عمر میں پہلی دفعہ ان کی بات کا خاطر خواہ اثر ہوا، قلعے کے حاکم نے اپنی بات پر زور دیا «ماشا کسی طرح یہاں نہیں ٹھیر سکتی۔ ہم اسے اسکی دینی ماں کے پاس اورن برگ بھیج دیں گے، ان کے پاس بھاری فوجیں ہیں، ان گنت توپیں ہیں اور ان کی فصیل پتھر کی ہے۔ اور میں تو تمہیں بھی اس کے ساتھ جانے کی صلاح دوں گا۔ تم بوڑھی ہو۔ لیکن اگر قلعے پر مصیبت آ گئی تو نجانے تمہارا کیا حشر ہو۔»

«دیکھو یہ کرو» وسیلیسا یگوروونا نے کہا «ہم ماشا کو بھیج دیں گے۔ مگر مجھے یہاں سے چلتا کرنیکا خواب بھی نہ

دیکھو — میں اس ضعیفی میں تم سے جدا نہیں ہو سکتی، میں کسی دور دراز جگہ جدائی میں نہیں مر سکتی — ساتھ جیئے ساتھ مرو —»

«اچھا تو طے رہا» قلعے کے حاکم نے کہا «ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے — جاؤ ماشا کے سفر کی تیاری کرو — ہم کل صبح ہی اسے بھیج دیں گے — اور اگرچہ ہمارے پاس فالتو آدمی نہیں ہیں مگر ہم اسکے ساتھ پہرے کا انتظام کر دیں گے، مگر ماشا ہے کہاں؟»

«وہ اکولینا پمفی لوونا کے ہاں ہے —» ان کی بیوی نے کہا «نچلی جھیل کے قلعے پر قبضہ ہونیکی خبر سنتے ہی وہ بے ہوش ہو گئی — مجھے ڈر ہے وہ بیمار نہ پڑ جائے — اے خدا، یہ ہمارا کیا حشر ہو گیا!»

وسیلیسا یگوروونا بیٹی کو بھیجنے کی تیاری کرنے چلی گئیں — کپتان کے کمرے میں بات چیت جاری رہی — مگر میں نے نہ کچھ کہا، نہ سنا — ماریا ایوانوونا کھانے پر نظر آئی، اسکا رنگ زرد تھا اور آنکھیں سرخ — ہم نے خاموشی سے کھانا کھایا اور معمول سے جلدی ہی میز سے اٹھ گئے — اس خاندان سے رخصت ہونیکے بعد ہم سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے — مگر میں نے جان بوجھ کر اپنی تلوار وہیں چھوڑ دی اور اسے لینے واپس گیا — مجھے یقین تھا کہ مجھے ماریا ایوانوونا تنہا مل جائے گی — واقعی وہ مجھے دروازے ہی پر مل گئی، اس نے میری تلوار مجھے دی — «خدا حافظ پیوتر

اندریےیچ» اس نے روتے ہوئے کہا «میں اورن برگ جا رہی ہوں — خدا کرے تم زندہ سلامت اور خوش رہو! خدا نے چاہا تو ہم پھر ملیں گے — اور اگر نہ مل سکے...» وہ سسکنے لگی — میں نے اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا — «خدا حافظ میری جان» میں نے کہا «میری پیاری، میری جان رخصت، میرا جو بھی حشر ہو! مگر یقین مانو میری پیاری آخر دم تک میں تمہارے بارے میں سوچوں گا اور تمہارے لئے دعا کروں گا!»

ماشا میرے سینے سے لگی روتی رہی — میں نے انتہائی تڑپ کے ساتھ اسے پیار کیا اور تیزی سے گھر سے باہر چلا گیا —

حملہ

اے میرے سر، اے سپاہی کے سر،
اے میرے سر، تین اوپر تیس
سال تک تو
وفاداری اور خلوص سے خدمت
کرتا رہا —
مگر اے میرے سر،
تجھے نہ دولت ملی نہ مسرت
نہ کوئی کلمۂ تحسین،
نہ کوئی رتبۂ اعلیٰ
اے میرے سر تجھے اگر کچھ
ملا بھی تو کیا ملا،
لکڑی کے دو مضبوط کھمبے
پیپل کا ایک تختۂ دار
اور ریشم کا سنہری پھندا —
(۱۲)
ایک لوک گیت —

اس رات نہ میں نے لباس تبدیل کیا نہ رات بھر سو سکا — میں چاھتا تھا کہ صبح سویرے ماریا ایوانوونا کی روانگی کے وقت قلعے کے دروازے پر پہنچ جاؤں اور اسے آخری بار الوداع کہہ لوں — میں اپنے اندر بہت تبدیلی محسوس کر رہا تھا — پچھلے دنوں میری زندگی پر غم کے جو بادل چھائے ہوئے تھے، اس سے میری موجودہ ذھنی پریشانی کہیں کم تکلیف دہ تھی — جدائی کے دردناک خیال کے ساتھ ھی چند دھندلی دھندلی مگر بے حد خوشگوار امیدیں بھی وابستہ تھیں —— بے تابی سے خطرے کا انتظار، اور ایک شریفانہ امنگ کا

احساس — پلک جھپکتے رات گزر گئی — میں باھر جا ھی رہا تھا کہ دروازہ کھلا، اور ایک فوجی افسر نے اندر آکر مجھے اطلاع دی کہ ھمارے قضاق راتوں رات قلعے سے بھاگ گئے ھیں، وہ یولائی کو بھی زبردستی اپنے ساتھ لے گئے ھیں — قلعے کے چاروں طرف گھوڑے سواروں کی نئی نئی شکلیں نظر آ رھی ھیں — میں اس خیال سے پریشان ھو گیا کہ ممکن ھے ماریا ایوانوونا کو رخصت ھونیکا موقع نہ مل سکا ھو — جلدی جلدی اس افسر کو چند ضروری ھدایتیں دے کر میں کپتان کے مکان کی طرف بھاگا —

صبح ھو رھی تھی — میں گلی میں بھاگا جا رہا تھا کہ کسی نے مجھے پکارا — میں رک گیا — «کدھر جا رھے ھو؟» ایوان ایگناتیچ نے قریب آتے ھوئے پوچھا — «ایوان کوزمیچ مورچے پر ھیں، میں تمھیں بلانے ھی کو آ رہا تھا — پوگاچیوف پہنچ لیا ھے» — «کیا ماریا ایوانوونا روانہ ھو گئی؟» میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا — «اب اس کا موقع نکل چکا» ایوان ایگناتیچ نے جواب دیا — «اورن برگ کا راستہ بند ھو چکا ھے — قلعے کا محاصرہ ھو گیا ھے — بہت بری حالت ھے پیوتر اندریےیچ!»

ھم مورچے پر پہنچے — یہ جگہ قدرتی طور پر ارد گرد کی زمین سے اونچی تھی اور باڑھ کی وجہ سے اور مضبوط ھو گئی تھی — قلعے کے تمام مکین پہلے ھی وھاں موجود تھے — سپاھی تیار کھڑے تھے — ان کے ھاتھوں میں بندوقیں تھیں —

توپ تو ایک دن پہلے ہی وہاں پہنچائی جا چکی تھی ۔ کپتان اضطراب کے عالم میں اپنے اس چھوٹے سے دستے کے قریب ٹہل رہے تھے ۔ خطرے کے قرب نے بوڑھے سپاہی میں نئی روح پھونک دی تھی ۔ قلعے سے تھوڑی دور پر بیس بائیس سوار صحرا میں گھوم رہے تھے ۔ غالباً وہ قضاق تھے، مگر ان میں کچھہ بشکیر بھی تھے جو اپنی سمور کی اونچی اونچی ٹوپیوں اور ترکشوں کی وجہ سے الگ سے الگ نظر آ رہے تھے ۔ صفوں کے درمیان چکر لگاتے ہوئے کپتان نے کہا ۔ «بھائیو، آج ہمیں اپنی پیاری ملکہ کی حفاظت کرنی چاہئے ۔ ساری دنیا کو دکھا دو کہ تم بہادر اور وفادار سپاہی ہو ۔» سپاہیوں نے زور زور سے اپنے جوش و خروش کا اظہار کیا ۔ شوابرن میرے برابر ہی کھڑا تھا ۔ وہ ایک ٹک دشمن کو دیکھے جا رہا تھا ۔ قلعہ میں ہل چل دیکھتے ہی صحرا کے گھوڑے سوار جمع ہو گئے، غالباً وہ موجودہ حالات پر غور کر رہے ہوں گے ۔ قلعے کے حاکم نے ایوان ایگناتیچ کو توپ کا رخ ادھر موڑنے کا حکم دیا ۔ انہوں نے خود بارود کو آگ دکھائی ۔ گولہ زن زناتا ہؤا ان کے سروں کے اوپر سے گزر گیا، اور انہیں کوئی نقصان بھی نہیں ہوا ۔ گھوڑے سوار فوراً تتربتر ھوکر نظروں سے اوجھل ہو گئے ۔ اب صحرا میں کوئی نہ تھا ۔

اسی لمحے وسیلیسا یگوروونا اور ماشا مورچے میں داخل ہوئیں، ماشا کسی صورت انہیں چھوڑنے کو تیار نہیں تھی ۔

«ہوں» کپتان کی بیوی نے کہا «کہو لڑائی کا کیا رنگ ہے؟ دشمن اس وقت کہاں ہے ۔» «دشمن بہت دور نہیں ہے» ایوان کوزمیچ نے جواب دیا ۔ «خدا کرے سب ٹھیک ٹھاک رہے ۔ ماشا کیا تم ڈر رہی ہو؟» «نہیں ابا» ماریا ایوانوونا نے جواب دیا ۔ «مجھے گھر میں اکیلے رہنے سے اور زیادہ ڈر لگتا ہے ۔» یہ کہتے ہوئے اس نے کنکھیوں سے میری طرف دیکھا اور مسکرانے کی کوشش کی ۔ میں نے انجانے طور پر مضبوطی سے اپنی تلوار کے دستے کو پکڑ لیا، مجھے یاد آیا کہ کل اس نے اپنے ہاتھوں سے یہ تلوار مجھے سونپی ہے، شاید میری محبوبہ کی حفاظت کے لئے ۔ میرے دل میں آگ لگی ہوئی تھی ۔ میں خود کو اسکا نائٹ سمجھہ رہا تھا، میں اسکے اعتماد پر پورا اترنے کے لئے بے تاب تھا اور بے چینی سے فیصلہ کن لمحہ کا منتظر ۔

اسی وقت قلعے سے قریباً ادھہ میل دور، پہاڑی کے پیچھے سے گھوڑے سواروں کے نئے جتھے نمودار ہوئے ۔ جلد ہی صحرا میں نیزوں اور تیر کمانوں سے لیس سپاہیوں کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آنے لگے ۔ ان کے درمیان لال کفتان پہنے ہوئے اور ننگی تلوار ہاتھہ میں لئے ایک شخص نظر آیا جو سفید گھوڑے پر سوار تھا ۔ یہی تھا پوگاچیوف ۔ اس نے اپنا گھوڑا روکا، فوراً ہی اس کے گرد مجمع لگ گیا ۔ چار سواروں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی، اور شاید اسی کے حکم پر تیزی سے سیدھے ہمارے قلعے کی طرف بڑھے ۔ وہ ہمارے اپنے غدار

ساتھی تھے۔ ان میں سے ایک کاغذ کا ایک ورق اپنے سر سے اونچا اٹھائے ہوئے تھا۔ دوسرا شخص اپنے نیزے پر یولائی کا سر لئے ہوئے تھا۔ اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ باڑھ کے اوپر سے سر ہماری طرف پھینک دیا۔ غریب کالمک کا سر کپتان کے قدموں میں آ گرا۔ غدار چلائے «بندوقیں نیچی کر لو! باہر آؤ زار کی خدمت میں! زار یہاں تشریف رکھتے ہیں!»

«میں بتاتا ہوں تمہیں، کیسا زار!» ایوان کوزمیچ چلائے۔ «بھائیو گولی چلاؤ۔» ہمارے سپاہیوں نے ایک دفعہ گولیاں چلائیں۔ وہ قضاق جو خط تھامے ہوئے تھا ایک بار اپنی رکاب میں تھرتھرایا، اور گھوڑے سے گر پڑا۔ باقی گھوڑے دوڑا کر بھاگ گئے۔ میں نے ماریا ایوانوونا پر نظر ڈالی۔ یولائی کے خون میں لتھڑے ہوئے سر کو دیکھ کر اور گولیوں کی بوچھار کی وجہ سے چکرائی ہوئی وہ نیم بےہوش نظر آ رہی تھی۔ قلعے کے حاکم نے ایک افسر کو بلایا، اور مردہ قضاق کے ہاتھ سے خط لانیکا حکم دیا۔ وہ افسر باہر میدان میں گیا۔ اور اس مردہ شخص کے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے واپس آیا۔ اس نے قلعے کے حاکم کو خط دیا۔ ایوان کوزمیچ نے خط پڑھا، اور اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ غالباً باغی حملے کی تیاری کر رہے تھے۔ بہت جلد ہمارے کانوں کے پاس گولیاں سنسنانے لگیں۔ اور چند تیر قریب ہی باڑھ اور زمین میں پیوست ہو گئے۔ «وسیلیسا یگوروونا» قلعے کے حاکم نے کہا۔ «عورتوں کے لئے یہاں ٹھیرنا ٹھیک نہیں ہے، ماشا کو یہاں سے لیجاؤ،

دیکھو تو لڑکی کی حالت سو مردوں سے بدتر ہو رہی ہے۔»

وسیلیسا یگورووونا نے جو گولیوں کی بوچھار شروع ہوتے ہی گم سم ہو گئی تھیں، ایک نظر صحرا کی طرف دیکھا، جہاں خوب چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے اپنے شوہر کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ «ایوان کوزمیچ موت اور زندگی خدا کے ہاتھہ میں ہے۔ ماشا سے رخصت ہو لو۔ ماشا جاؤ بیٹی باپ کے پاس جاؤ!»

ماشا کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ وہ کانپتی ہوئی اپنے باپ کے پاس گئی۔ قریب پہنچ کر وہ ان کے سامنے دوزانو ہو گئی اور جھک کر سلام کیا۔ بوڑھے کپتان نے تین دفعہ اس کے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور زمین سے اٹھا کر پیار کرتے ہوئے بدلی ہوئی سی آواز میں کہا «ماشا، جہاں رہو خوش رہو! خدا سے دعا کرو، وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ اگر تمہیں کوئی اچھا آدمی مل جائے، تو خدا کرے تم میں ہمیشہ محبت اور اتفاق رہے۔ اس کے ساتھہ اس طرح رہنا جیسے میں اور وسیلیسا یگورووونا رہے۔ خدا حافظ ماشا! وسیلیسا یگورووونا جلدی کرو، اسے لیجاؤ۔» (ماشا ان کے شانے پر سر رکھہ کر سسکنے لگی۔) «آو ہم بھی ایک دوسرے کو چوم لیں» کپتان کی بیوی نے روتے ہوئے کہا۔ «خدا حافظ میرے ایوان کوزمیچ۔ اگر مجھہ سے کبھی کوئی خطا ہوئی ہو تو معاف کر دینا۔» «خدا حافظ میری پیاری، خدا حافظ۔» قلعے کے حاکم نے اپنی

بوڑھی بیوی کو گلے لگاتے ہوئے کہا – «بس اب جلدی کرو! جاؤ گھر جاؤ – اور اگر موقع ملے تو ماشا کو دیہاتی لباس پہنا دو –» ماں بیٹی رخصت ہو گئیں – میری نظریں ماریا ایوانوونا کے ساتھ ساتھ تھیں، اس نے بھی مڑ کر دیکھا، اور اشارے سے مجھے الوداع کہا – ایوان کوزمیچ ہماری طرف مڑے اب ان کی پوری پوری توجہ دشمن پر تھی – باغی، اپنے سردار کے گرد جمع ہو رہے تھے، اب سب یکایک اپنے گھوڑوں سے اترنے لگے – «ڈٹ کر کھڑے ہو جاؤ!» قلعے کے حاکم نے کہا «اب وہ حملہ کریں گے –» اسکے بعد وحشیانہ چیخیں اور نعرے بلند ہونے لگے – باغی پوری قوت سے قلعے کی طرف دوڑ رہے تھے – ہماری توپ میں بارود کے گولے بھرے ہوئے تھے – قلعے کے حاکم نے حملہ آوروں کو بہت قریب آ جانیکا موقع دیا – اور یکایک پھر توپ داغ دی – گولے ٹھیک جتھے کے بیچ میں گرے – باغی تتربتر ہوکر دائیں بائیں بھاگ کھڑے ہوئے – صرف ان کا سردار ڈٹا رہا... اس نے اپنی تلوار لہرائی، شاید وہ بےتابی سے انہیں لڑنے پر تیار کر رہا تھا – چیخ پکار اور گھن گرج جو لمحے بھر سے رکی ہوئی تھی یکبارگی پھر شروع ہو گئی – «بھائیو!» قلعے کے حاکم نے کہا «پھاٹک کھول دو اور نقارہ بجاؤ – آگے بڑھو، بھائیو! میرے پیچھے پیچھے آؤ!»

پلک جھپکتے کپتان، ایوان ایگناتیچ اور میں باڑھ کے دوسرے طرف پہنچ گئے مگر سپاہیوں نے ہمت ہار دی وہ ٹس سے مس نہ ہوئے – «کھڑے کیا دیکھ رہے ہو بھائیو؟» ایوان

کوزمیچ چلائے – «اگر موت ہے تو مریں گے ہی! سپاہیوں کی زندگی ہی کیا!» اسی لمحے باغی ہماری طرف دوڑے اور زبردستی قلعے کے اندر گھس گئے – طبل خاموش ہو گیا – سپاہیوں نے بندوقیں پھینک دیں – میں دھکا کھا کر گرا، مگر پھر اٹھا اور باغیوں کے ساتھ ساتھ قلعے میں داخل ہوا – کپتان کے سر میں زخم آ گیا تھا – وہ باغیوں میں گھرے کھڑے تھے – باغی ان سے کنجیاں مانگ رہے تھے – میں نے ان کی مدد کو پہنچنے کی بہتیری کوشش کی – مگر کئی ہٹے کٹے قضاقوں نے مجھے پکڑ لیا – اور مجھے اپنی پیٹیوں سے باندھتے ہوئے کہا «دیکھنا زار کی مخالفت کی کیسی سزا بھگتوگے!» وہ ہمیں گھسیٹتے ہوئے گلی میں لے گئے – گاؤں کے لوگ روٹی اور نمک لے لےکر اپنے گھروں سے نکل پڑے – گرجا کی گھنٹیاں بج رہی تھیں – یکایک مجمع میں شور اٹھا کہ زار چوک میں قیدیوں کے لائے جانے کا منتظر ہے – اور ان سے وفاداری کا عہد لے رہا ہے – لوگ چوک کی طرف بھاگے – ہم بھی گھسیٹ کر وہاں پہنچا دئے گئے –

پوگاچیوف کپتان کے گھر کی برساتی میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا – وہ لال رنگ کے قضاق وضع کے کفتان میں ملبوس تھا، جس میں سنہری جھالر ٹنکے ہوئے تھے – سنہری پھندنوں والی سمور کی اونچی سی ٹوپی اس کی چمکدار آنکھوں پر جھکی ہوئی تھی – مجھے اس کا چہرہ کچھ دیکھا دیکھا سا معلوم ہوا – وہ بڑے بوڑھے قضاقوں میں گھرا ہوا تھا –

فادر گراسیم برساتی کے سامنے کھڑے تھے، ان کا رنگ فق تھا اور وہ تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں صلیب تھی۔ وہ خاموشی سے ان لوگوں کے لئے دعا اور رحم کی التجا کرتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے جو بہت جلد موت کا شکار ہونے والے تھے۔ چوک میں جلدی جلدی پھانسی گاڑی جا رہی تھی۔ ہم جیسے ہی نزدیک پہنچے، بشکیریوں نے بھیڑ کو ہٹایا اور ہمیں پوگاچیوف کے سامنے لے گئے۔ گھنٹیاں خاموش ہو گئیں۔ چاروں طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ «قلعے کا حاکم کون‌سا ہے؟» نقلی زار نے پوچھا۔ ہمارا سارجنٹ مجمع سے نکلا، اور اس نے ایوان کوزمیچ کی طرف اشارہ کیا۔ پوگاچیوف نے بوڑھے کپتان کو دھمکاتے ہوئے کہا «تمہاری اتنی جرائت کہ میرا — اپنے زار کا مقابلہ کرو؟» زخموں کی وجہ سے نیم بےہوش کپتان نے اپنی پوری قوت جمع کی اور زوردار آواز میں کہا «تم میرے زار نہیں ہو۔ تم ایک چور اور مکار فریبی ہو، یہ ہے تمہاری حقیقت! سنا تم نے؟» پوگاچیوف نے انتہائی نحوست کے ساتھ تیوری پر بل ڈال کر ہوا میں سفید رومال لہرایا۔ کئی قضاقوں نے بڑھ کر بوڑھے کپتان کو پکڑ لیا، اور انہیں کھینچتے ہوئے پھانسی کے پاس لے گئے۔ وہی تباہ حال بشکیر جس سے ہم نے ایک دن پہلے پوچھ گچھ کی تھی، آج پھانسی کے اوپر ٹانگیں لٹکائے بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک رسی تھی۔ ایک لمحہ بعد غریب ایوان کوزمیچ ہوا میں معلق نظر آئے۔ ان کے بعد ایوان ایگناتیچ

پوگاچیوف کے سامنے لائے گئے۔ «حلف اٹھاؤ» پوگاچیوف نے ان سے کہا «زار پیوتر فیودورووچ کے وفادار رہنے کا حلف!» «تم ہمارے زار نہیں ہو!» ایوان ایگناتیچ نے اپنے کپتان کے الفاظ دوہرائے۔ «بڈھے کھوسٹ، تم چور اچکے اور مکار فریبی ہو!» پوگاچیوف نے پھر اپنا رومال لہرایا۔ اور نیک دل لیفٹیننٹ اپنے افسر اعلی کے پہلو میں لٹکا دیا گیا۔

اب میری باری تھی۔ اپنے نیک اور شریف ساتھیوں کے الفاظ دوہرانے کا ارادہ کر کے میں نے بہادری سے پوگاچیوف کی طرف دیکھا۔ بوڑھے باغیوں کے بیچ میں شوابرن کو دیکھ کر میں ہکابکا رہ گیا۔ وہ قضاق وضع کا کوٹ پہنے ہوئے تھا اور اسکے بال قضاقوں کے انداز میں کٹے ہوئے تھے۔ اس نے پوگاچیوف کے پاس جاکر اسکے کان میں کچھ کہا۔ «لٹکا دو پھانسی پر!» پوگاچیوف نے مجھے ایک نظر دیکھے بغیر ہی حکم صادر کیا۔ میرے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا گیا۔ میں دعا کرنے لگا۔ میں نے خلوص دل سے خدا کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور خدا سے اپنے تمام پیاروں کی سلامتی کی دعا کی۔ مجھے گھسیٹ کر پھانسی تک پہنچا دیا گیا۔ «ڈرو نہیں!» میرے قاتل بار بار کہہ رہے تھے، وہ شاید واقعی مجھے تسلی دینا چاہ رہے تھے۔ یکایک مجھے ایک چیخ سنائی دی۔ «ٹھیرو بدذاتو! ٹھیرو!» قاتلوں نے پھانسی کی تیاری روک دی۔ میں نے گھوم کر دیکھا۔ ساویلچ پوگاچیوف کے قدموں

میں پڑا تھا — «رحمدل باپ!» میرے بدقسمت اتالیق نے کہا — «میرے مالک کے بچے کو مار کے تمہیں کیا ملےگا؟ اسے چھوڑ دو—وہ تمہیں نذرانہ دیں‌گے — اگر تمہیں لوگوں کو سبق ھی دینا ھے تو ان سے کہو اس کے بجائے مجھ بوڑھے کو پھانسی دے دیں!» پوگاچیوف نے اشارہ کیا، میرا پھندا کھول کر مجھے فوراً رہا کر دیا گیا — «ھمارے زار نے تمہیں معاف کر دیا» انہوں نے مجھے بتایا — میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت جان بچنے پر مجھے کوئی خوشی ھوئی، مگر سچ تو یہ ھے کہ مجھے اسکا افسوس بھی نہیں ھوا — میرے جذبات انتہائی منتشر تھے — مجھے پھر نقلی زار کے سامنے لایا گیا اور مجھے اس کے سامنے دوزانو کر دیا گیا — پوگاچیوف نے اپنا قوی ھاتھ بڑھایا — «آپ کے ھاتھ کو بوسہ دو! بوسہ دو ھاتھ کو!» چاروں طرف سے آواز آئی — میں اس گھٹیاپن اور بےعزتی پر بدتر سے بدتر سزا کو ترجیح دیتا — «پیوتر اندریےیچ، مالک!» ساویلچ نے میرے کان میں کہا — وہ کھڑے ھوئے میری کمر پر ٹھوکے لگا رہا تھا — «ضد نہ کرو! تمہاری بلا سے، تھوک دو، اور بوسہ دو بدمعا... میرا مطلب ھے ان کے ھاتھ کو بوسہ دو—» میں اپنی جگہ سے ھلا تک نہیں — پوگاچیوف نے اپنا ھاتھ کھینچ لیا اور طنزاً کہا — «جناب عالی خوشی سے پاگل ھو گئے ھیں، اسے کھڑا کر دو!» مجھے اٹھایا گیا، اور میں آزاد تھا — اور اس بھیانک ریاکاری کو دیکھ سکتا تھا —

گاؤں والے وفاداری کا حلف اٹھا رہے تھے — وہ ایک ایک کر کے آتے، صلیب کو بوسہ دیتے اور نقلی زار کے سامنے جھک جاتے — قلعے کی محافظ فوج کے سپاھی بھی موجود تھے — رجمنٹ کا درزی، اپنی کند قینچی سے ان کی چوٹیوں کو کاٹ رہا تھا — وہ سر جھٹکتے اور بڑھ کر پوگاچیوف کے ھاتھ کو بوسہ دیتے — جو انہیں معاف کرنیکا اعلان کرتا اور انہیں اپنے جتھے میں شامل کر لیتا — تین گھنٹے یہی ھنگامہ رہا — پوگاچیوف کرسی سے اٹھا اور اپنے معمر ساتھیوں کے ساتھ برساتی سے باھر چلا گیا — ایک سفید گھوڑا اسکے قریب لایا گیا — گھوڑے پر مرصع لگام پڑی ھوئی تھی — دو قضاقوں نے اسکی بغلوں میں ھاتھ ڈال کر اسے گھوڑے پر بٹھا دیا — اس نے فادر گراسیم سے کہا کہ رات کا کھانا وہ ان کے ساتھ کھائےگا — اسی لمحے ایک نسوانی چیخ سنائی دی — کئی بدمعاش، بدحال وسیلیسا یگوروونا کو کھینچتے ھوئے برساتی میں لائے — وہ مادرزاد ننگی تھیں — ان میں سے ایک تو وسیلیسا یگوروونا کا روئی دار کوٹ پہنتے ھوئے تھا — باقی لٹیرے پروں کے بستر، بکس، چائے کے برتن، کپڑے اور گھر کا ھر قسم کا سامان گھسیٹ رہے تھے — «بھائیو» بدقسمت بوڑھی خاتون چلائیں — «مجھے سکون سے مرنے دو! رحم دل لوگو مجھے ایوان کوزمیچ کے پاس لے چلو!» یکایک انہوں نے پھانسی کی طرف دیکھا اور اپنے شوھر کی لاش کو پہچان گئیں — «ارے یہ تم نے کیا کر دیا؟ ایوان کوزمیچ، میری آنکھوں کے نور، میرے باھمت سپاھی! پروشیا کی تلواریں اور

ترکستانی بندوقیں تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکیں ۔ ہائے تم
کسی بہادرانہ جنگ میں نہ مارے گئے، ہائے تم اس بھگوڑے
چور کے ہاتھوں ختم ہوئے!» «اس بوڑھی چڑیل کی زبان بند
کرو!» پوگاچیوف نے کہا ۔ یہ سنتے ہی ایک نوجوان قضاق نے
اپنی تلوار ان کے سر پر دے ماری ۔ وہ برساتی کی سیڑھیوں
پر گر کر ختم ہو گئیں ۔ پوگاچیوف آگے بڑھ گیا ۔ لوگ
اسکے پیچھے پیچھے بھاگے ۔

آٹھواں باب

بن بلایا مہمان

بن بلایا مہمان تاتاریوں سے بدتر ہے ۔ (۱۳)
ایک کہاوت

چوک میں الو بولنے لگا ۔ میں جہاں تھا وہیں کھڑا رہا ۔
میرے خیالات منتشر تھے بھیانک خیالات کے طوفان نے میرا
دماغ چکرا دیا تھا ۔

مجھے سب سے زیادہ پریشانی اس سے تھی کہ مجھے ماریا
ایوانوونا کے بارے میں کچھہ معلوم نہیں تھا ۔ اسکا کیا حشر
ہوا ۔ کیا اسے چھپنے کا موقع مل گیا؟ کیا واقعی وہ کسی محفوظ
جگہ چھپی ہوئی ہے؟ انہیں پریشان خیالات میں ڈوبا ہوا میں
کپتان کے گھر میں گیا ۔ چاروں طرف بربادی ہی بربادی تھی ۔
میز کرسیاں اور بکس وغیرہ ٹوٹے پڑے تھے، برتن ٹوٹ کر
چور چور ہو گئے تھے ۔ ہر چیز لٹ چکی تھی ۔ میں اس
چھوٹے سے زینے کی طرف بھاگا جو اوپر کی منزل کو جاتا تھا ۔
اور زندگی میں پہلی دفعہ ماریا ایوانوونا کے کمرے میں داخل
ہوا ۔ اس کا بستر بدمعاشوں نے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا
تھا ۔ اسکے کپڑوں کی الماری ٹوٹی پڑی تھی، اور کپڑے لٹ

چکے تھے — اب تک الماری کے سامنے لیمپ جل رہا تھا — مگر عیسی کی تصویریں غایب تھیں — کھڑکیوں کے درمیان لٹکا ہوا آئینہ نجانے کیسے سلامت رہ گیا تھا — اس سیدھے سادھے کمرے کی کنواری مکین کہاں تھی؟ یکایک شعلے کی طرح میرے دماغ میں ایک بھیانک خیال کوند گیا — مجھے ایسا لگا کہ وہ بدمعاشوں کے قبضے میں ہے — میرے دل کی دھڑکن بند ہوگئی... میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا — اور میں نے زور زور سے اپنی محبوبہ کا نام لے کر پکارنا شروع کیا — مجھے ھلکی سی آھٹ محسوس ہوئی، اور الماری کے پیچھے سے پالاشا نمودار ہوئی — اس کا رنگ اڑا ہوا تھا، اور وہ تھرتھر کانپ رہی تھی —

«آہ پیوتر اندریےیچ!» اس نے انتہائی مایوسی سے کہا — «کیسا خوفناک دن ہے! کیا قیامت ہے!»

«ماریا ایوانوونا کہاں ہے؟» میں نے بےتابی سے پوچھا — «ماریا ایوانوونا کا کیا حشر ہوا؟»

«چھوٹی بی بی زندہ ہیں» پالاشا نے جواب دیا — «وہ اکولینا پمفیلوونا کے ہاں چھپی ہوئی ہیں —»

«پادری کے ہاں!» میں پریشانی سے چیخ اٹھا — «اب کیا ہوگا یا خدا، پوگاچیوف وہیں ہے!»

میں تیر کی طرح کمرے سے نکلا، اور پل بھر میں گلی میں پہنچ گیا — میں بےتحاشہ پادری کے گھر کی طرف بھاگا — اس وقت مجھے دنیا و مافیہا کی کچھہ خبر نہ تھی — ان کے گھر سے چیخ پکار، ہنسی ٹھٹھوں اور ناچ گانے کی آواز آ رہی

تھی... پوگاچیوف اپنے ساتھیوں کے ساتھہ دعوت اڑا رہا تھا — میرے پیچھے پیچھے پالاشا بھی بھاگی — میں نے اس سے کہا کہ خاموشی سے جاکر اکولینا پمفیلوونا کو بلا لائے — ایک لمحے بعد پادری کی بیوی میرے ساتھہ برساتی میں کھڑی تھیں، ان کے ہاتھہ میں خالی بوتل تھی —

«خدا کے لئے بتائیے ماریا ایوانوونا کہاں ہے!» میں نے ناقابل بیان حد تک پریشانی کے عالم میں پوچھا —

«غریب بچی ادھر پردے کے پیچھے میرے پلنگ پر لیٹی ہے!» پادری کی بیوی نے جواب دیا — «آہ پیوتر اندریےیچ — ہم مصیبت میں پھنستے پھنستے بچے — خدا کا شکر ہے مصیبت گزر گئی — بدمعاش کھانے پر بیٹھا ہی تھا کہ بچاری بچی کو ہوش آیا اور وہ کراہ اٹھی — اس نے سن لیا — 'اے بڑھیا یہ کون کراہ رہا ہے؟' اس نے پوچھا — میں دوزانو ہوگئی — 'میری بھانجی ہے جناب، وہ بیمار ہے — وہ پچھلے ہفتہ بھر سے پلنگ پر پڑی ہے —' 'کیا تمہاری بھانجی جوان ہے؟' 'جی ہاں جناب —' 'بڑی بی پھر تو مجھے اپنی بھانجی ضرور دکھاؤ —' میرا دل دھک دھک کرنے لگا — مگر کوئی راستہ نہیں تھا — 'ضرور ضرور جناب — مگر بچی اٹھہ کر آپکی خدمت میں نہیں آ سکتی —' 'کوئی حرج نہیں بڑی بی — میں خود جاکر اسے دیکھوںگا —' اور وہ بدمعاش پردے کے اس طرف گیا پر گیا — اور جانتے ہو اس نے کیا کیا؟ اس نے پردہ کھینچ دیا، اس پر عقاب کی سی نظر ڈالی، اور بس... خدا نے بڑا رحم کیا — یقین

جانو میں اور میرے شوہر تو شہید ہو نیکو تیار تھے۔ خوش قسمتی سے پیاری بچی نے اسے پہچانا نہیں۔ اے پاک پرور دگار... یہ ہم کیا کیا دیکھنے کو زندہ ہیں۔ آہ خدایا! غریب ائیوان کوزمیچ! کبھی کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا! اور وسیلیسا یگوروونا! اور ایوان ایگناتیچ! اس غریب نے کیا کیا تھا؟ مگر انہوں نے تمہیں کیوں کر چھوڑ دیا؟ اور شوابرن کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے اپنے بال قضاق طرز پر کٹوا لئے ہیں اور ہمارے گھر میں، ان کے ساتھ بیٹھا ہوا دعوت اڑا رہا ہے! کس قدر چالاک ہے؟ جب میں نے اپنی بیمار بھانجی کا ذکر کیا تو تم دیکھتے اس کی نظریں کس طرح نشتر کی طرح میرے سینے میں پیوست ہو گئیں۔ مگر اس نے راز فاش نہیں کیا۔ ہم تو اس لئے اسکے ہزار بار شکر گزار ہیں۔» اس وقت نشے میں دھت مہمانوں کی چیخ پکار اور بیچ بیچ میں فادر گراسیم کی آواز سنائی دی۔ مہمان اور وودکا کے لئے ہنگامہ کر رہے تھے اور فادر گراسیم اپنی بیوی کو پکار رہے تھے۔ پادری کی بیوی نے گھبرا کے ادھر ادھر دیکھا۔ «پیوتر اندریےیچ اب تم گھر جاؤ» انہوں نے کہا۔ «تمہارا یہاں ٹھیرنا ٹھیک نہیں ہے۔ بدمعاش شراب نوشی میں مست ہیں۔ اس نشے کی حالت میں، اگر تم ان کے سامنے آ گئے تو کام تمام سمجھو۔ خدا حافظ پیوتر اندریےیچ جو ہونا ہے ہوگا۔ خدا ہماری مدد کرے!»

پادری کی بیوی اندر چلی گئیں۔ میرے دل کو تھوڑی

سی تسلی ہوئی۔ اور میں اپنے گھر چلا گیا۔ چوک سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ کئی بشکیر پھانسی کے گرد جمع ہیں۔ وہ جھولتی ہوئی لاشوں کے پاؤں سے جوتے کھینچ رہے تھے۔ میں بمشکل اپنے غصے پر قابو پا سکا۔ میں جانتا تھا کہ دخل دینا بےکار ہے۔ بدمعاش چور قلعے میں چاروں طرف دوڑ رہے تھے۔ وہ افسروں کے گھر لوٹ رہے تھے۔ ہر طرف بدمست باغیوں کی چیخ پکار سنائی دے رہی تھی۔ میں گھر پہنچا۔ ساویلچ مجھے دروازے پر ملا۔ «شکر ہے خدا کا!» وہ مجھے دیکھتے ہی چلایا۔ «مجھے تو یہ خیال ہو رہا تھا کہ بدمعاشوں نے پھر تمہیں پکڑ لیا۔ پیوتر اندریےیچ مالک، تم کیا سمجھتے ہو۔ بدمعاشوں نے ہماری ایک ایک چیز چرا لی ہے ــ کپڑے، برتن، بستر کچھہ نہیں چھوڑا! لیکن خیر یہ تو کچھہ بھی نہیں ہے؟ خدا کا شکر ہے انہوں نے تمہاری جان بخشی کر دی۔ جناب کیا تم نے ان کے سردار کو پہچانا؟»

«نہیں، میں نے تو نہیں پہچانا، کیوں کون ہے وہ؟»

«ہیں جناب! کیا تم اس شرابی کو بھول گئے جس نے سرائے میں تم سے خرگوش کے سمور کا کوٹ لیا تھا؟ سمور کا بالکل نیا کوٹ! اور اس اجڈ نے پہنتے ہوئے تمام سیونیں پھاڑ دی تھیں۔»

میں بھونچکا رہ گیا۔ واقعی میرے راہبر اور پوگاچیوف میں غضب کی مشابہت تھی۔ اور اب جب یہ بات صاف ہو گئی کہ وہ شخص پوگاچیوف ہی تھا، تب میں سمجھا کہ اس نے میرے

اوپر اسقدر عنایت کیوں کی تھی۔ میں ان عجیب و غریب واقعات کی کڑیوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا ـــ ایک آوارہ گرد کو ایک چھوٹا سا کوٹ دینے کی وجہ سے آج میں پھانسی کے پھندے سے بچ گیا۔ ایک شرابی جو کل تک سرائے در سرائے مارا مارا پھر رہا تھا آج قلعے پر قلعے فتح کر رہا تھا، اور ریاست کی بنیادیں ہلا رہا تھا!

«تم کچھ کھاؤ گے نہیں؟» حسب عادت ساویلچ نے مجھ سے پوچھا۔ «گھر میں تو کچھ ہے نہیں، مگر کہئے تو ادھر ادھر سے کچھ ڈھونڈ ڈھانڈ کر تمہارے لئے کچھ پکادوں۔»

تنہائی ہوتے ہی میں سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ ایسے قلعے میں رہنا جو بدمعاش کے قبضے میں ہو، یا اسکے گروہ کا ساتھ دینا، ایک افسر کے لئے انتہائی بےعزتی کی بات تھی۔ میرا فرض تو یہ تھا کہ میں فوراً ایسی جگہ جاؤں جہاں میری خدمات کی ضرورت تھی اور جہاں اس مصیبت کے وقت میں میں اپنے ملک کے کام آ سکتا تھا۔ لیکن میری محبت مجھے مجبور کر رہی تھی کہ میں ماریا ایوانوونا کے قریب رہوں۔ اور اسکی حفاظت اور مدد کروں۔ حالانکہ یقین تھا کہ بہت جلد حالات پلٹا کھائیں گے لیکن پھر بھی میں اسکی مصیبت دیکھ کر کانپ اٹھتا تھا۔

ایک قضاق کے آنے سے میرے خیالات کا تار ٹوٹ گیا۔ وہ بھاگتا ہوا آیا اور اعلان کیا کہ «زار اعظم تمہیں طلب کر رہے ہیں۔» «وہ کہاں ہے؟» میں نے تعمیل حکم کے لئے تیار ہوتے ہوئے پوچھا۔

«کپتان کے گھر میں» قضاق نے جواب دیا۔ «کھانے کے بعد ہمارے شاہ حمام میں گئے۔ اور اس وقت آرام کر رہے ہیں۔ ان کی ہر ہر بات سے اندازہ ہوتا ہے، جناب، کہ وہ بہت اہم شخصیت ہیں۔ انہوں نے کھانے پر دو بھنے ہوئے شیرخوار سور کھائے اور انہوں نے اسقدر گرم حمام میں غسل کیا کہ تراس کوروچکین بھی اسے برداشت نہ کر سکتا۔ انہوں نے اپنی جھاڑو فومکا بک‌بایف کو دے دی اور ٹھنڈا پانی ڈالنے پر بھی بمشکل انہیں ہوش آیا۔ آپ جو بھی کہیں ـــ ان کے طور طریقوں میں بڑی شان ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حمام میں انہوں نے لوگوں کو اپنے سینے کے شاہی نشانات دکھائے ـــ ایک طرف پیسہ برابر جگہ میں دو سروں والا عقاب، اور دوسری طرف ان کی اپنی تصویر۔»

میں نے قضاق کی باتوں کو جھٹلانے کی کوشش نہیں کی۔ میں اس کے ساتھ کپتان کے گھر کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں پوگاچیوف سے اپنی ملاقات کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ دیکھیں ملاقات کا انجام کیا ہوتا ہے۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ میں اس وقت کافی پریشان تھا۔

میں کپتان کے گھر پہنچا تو شام کا دھندلکا بڑھ رہا تھا۔ پھانسی اپنے جھولتے ہوئے شکار کے ساتھ بہت سیاہ اور ہولناک معلوم ہو رہی تھی۔ بچاری وسیلیسا یگوروونا کی لاش ابھی تک برساتی کے سامنے پڑی تھی، جہاں دو قضاق پہرہ دے

رہے تھے۔ میرے ساتھہ والا قضاق میرے آنیکی اطلاع دینے اندر گیا اور فوراً ہی واپس آ کر مجھے اسی کمرے میں لے گیا جہاں ایک دن پہلے میں انتہائی نازک موقع پر ماریا ایوانوونا سے رخصت ہوا تھا۔

میرے سامنے عجیب منظر تھا۔ پوگاچیوف دس بارہ قضاقوں میں گھرا ہوا، ایک میز کے گرد بیٹھا تھا۔ ان قضاقوں نے اونچی اونچی ٹوپیاں اور رنگیں قمیص پہن رکھے تھے۔ میز پر بےترتیبی سے بوتلیں اور جام بکھرے ہوئے تھے۔ سب کے سب قضاق پی پی‌کر مست ہو رہے تھے، ان کے بھدے چہرے سرخ تھے اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔ شوابرن اور ہمارا سارجنٹ دونوں غدار، جو حال ہی میں ان کے گروہ میں شامل ہوئے تھے، موجود نہیں تھے۔ «آہا جناب عالی!» پوگاچیوف نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ «تشریف لائیے! کچھہ دیر ہمارے ساتھہ بیٹھئے! آئیے تشریف رکھئے!» رندوں نے فوراً مجھے جگہ دی۔ میں خاموشی سے میز کے کنارے بیٹھہ گیا۔ میرے پاس بیٹھے ہوئے ایک دبلے پتلے خوبصورت قضاق نوجوان نے میرے لئے ووڈکا کا جام بھرا، مگر میں نے اسے چھوا تک نہیں۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کو انتہائی تجسس سے دیکھا۔ پوگاچیوف میز کے سرے پر بیٹھا تھا۔ اس کی کہنی میز پر ٹکی ہوئی تھی۔ اسکے چوڑے چکلے ہاتھہ پر سیاہ داڑھی پھیلی ہوئی تھی۔ اسکے موزوں اور خوشنما نقوش کسی طرح خوفناک

نہیں تھے۔ وہ بار بار ایک تقریباً پچاس سالہ آدمی کی طرف مڑتا، اور اسے کبھی کاؤنٹ، کبھی تیموفےیچ اور کبھی صرف چچا کہہ کر مخاطب کرتا۔ وہ سب ایک دوسرے سے دوستانہ طریقے پر بات کر رہے تھے، اور اپنے سردار سے بھی اسی طرح بات کر رہے تھے۔ صبح کے حملے، بغاوت میں کامیابی اور آئیندہ کے کاموں کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں۔ ہر شخص شیخی بگھار رہا تھا، وہ اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے رہے۔ وہ بلا جھجک پوگاچیوف سے بحث رہے تھے۔ اس انوکھی فوجی مجلس میں اورن‌برگ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ بہادرانہ فیصلہ جس کے سر خوفناک کامیابی کا سہرا بندھتے بندھتے بچا۔ اگلے دن کوچ کا قصد تھا۔ «اور بھائیو اب» پوگاچیوف نے کہا «سونے سے پہلے میرا پسندیدہ گیت ہونا چاہئے، چوماکوف! شروع کرو!» میری برابروالے نوجوان نے بلند آواز میں کشتی کھینچنے والے قلیوں کا ایک اداس گیت چھیڑ دیا۔ ہر شخص کورس میں شریک ہوگیا:

سرسبز و شاداب جنگلو سرگوشی نہ کرو۔
مجھہ، نڈر نوجوان، کے خیالات کا سلسلہ نہ توڑو،
کل صبح ہی مجھے کرسئی عدالت کے سامنے جانا ہے
اس خوفناک منصف کے سامنے جسکا نام ہے زار
ہمارا شہنشاہ، زار مجھہ سے پوچھے گا:
اے نوجوان سچ بتا، کسان کے بیٹے سچ بتا،
تو کس کے ساتھہ لوٹ مار اور غارت گری کے لئے گیا؟

تیرے ساتھہ مٹھی بھر لوگ تھے، یا ان گنت جری؟
میں تجھے بتاؤں‌گا! اے نیک دل زار!
میں تجھے سچ بتاؤں‌گا، تجھے سب کچھہ بتاؤں‌گا۔
میرے جری ساتھیوں کی تعداد صرف چار تھی:
میری پہلی رفیق شب تاریک تھی،
اور دوسرا سچا دوست میرا تیز و تند چاقو تھا،
میرا تیسرا ساتھی میرا وفادار گھوڑا تھا،
اور میرا چوتھا مخلص ہمدم ایک مضبوط کمان
تیز رفتار تیر میرے ہرکارے تھے
اور تب نیک دل زار پھر کہےگا:
شاباش نوجوان! کسان کے جاں باز بیٹے شاباش
تو لوٹنا بھی جانتا ہے، اور جواب دینا بھی جانتا ہے!
میرے نوجوان، میں دوں‌گا تجھے اس کا انعام،
کھلے میدان میں ایک اونچا محل،
دو مضبوط ستون اور ایک تختۂ دار۔

میں بتا نہیں سکتا کہ پھانسی کے بھیانک پھندے کے بارے میں اس لوک گیت نے مجھہ پر کیا اثر کیا اور پھر یہ گیت خود انہیں لوگوں کی زبان سے تھا موت جن کی منتظر ہے۔ ان کے بدوضع حلیئے اور ان کی سریلی آوازوں نے اور ان زوردار الفاظ کے اداس اور غمناک اظہارات نے میرے دل میں عجیب جذبات جگا دئے، ایک عجیب دھاک بٹھا دی۔
شراب کا ایک دور اور چلا، مہمان کرسیوں سے اٹھہ گئے اور انہوں نے پوگاچیوف سے رخصت چاہی۔ میں نے بھی

ان کے ساتھہ اٹھنا چاھا۔ مگر پوگاچیوف نے مجھے بٹھا لیا۔ اور کہا «میں تم سے کچھہ باتیں کرنا چاھتا ھوں۔» ھم تنہا رہ گئے۔

کئی لمحے تک ھم دونوں خاموش رھے۔ پوگاچیوف مسلسل مجھے گھور رھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنی بائیں آنکھہ گھماتا، اور اس کی آنکھوں سے انتہائی بدمعاشی اور تمسخر جھلکنے لگتا۔ آخرکار، وہ بے ساختہ اس بری طرح ھنسا کہ میں بھی بےوجہ ھنسنے لگا۔

«کیوں جناب عالی» اس نے کہا۔ «سچ کہنا، جب میرے آدمیوں نے تمہاری گردن میں پھانسی کا پھندا ڈالا تو تم کس قدر ڈر گئے تھے! مجھے یقین ھے خوف سے دنیا تمہاری نظروں میں اندھیر ھو گئی ھوگی! اگر تمہارا ملازم بیچ میں نہ کود پڑتا تو تم پھانسی پر لٹک لئے تھے۔ میں نے اس بوڑھے ریچھہ کو فوراً پہچان لیا۔ تم نے کبھی سوچا بھی نہ ھوگا کہ وہ شخص جس نے تمہیں کسی سنسان سی سرائے کا راستہ دکھایا، خود زار تھا، کہو جناب عالی کبھی سوچا تھا؟» (یہ کہہکر اس نے خود کو نہایت شاندار اور پراسرار بنانے کی کوشش کی۔) «تم نے میرے خلاف بہت سے جرم کئے ھیں» اس نے کہا۔ «مگر میں نے تمہیں اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ تم نے ایسے وقت میں میرے ساتھہ مہربانی کی جب میں مجبوراً اپنے دشمنوں سے چھپتا پھر رھا تھا۔ ابھی تو دیکھتے جاؤ! ابھی تو میں تخت پر قابض ھونے کے بعد تمہارے ساتھہ بہت کچھہ

کروں گا۔» کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ تم وفاداری سے میری خدمت کروں گے؟

اس بدمعاش کا سوال اور اس کی بےحیائی مجھے اسقدر مضحکہ خیز معلوم ہوئی کہ میں ہنسی نہ چھپا سکا۔

«تم مسکرا کیوں رہے ہو؟» اس نے تیوری چڑھاکر پوچھا۔ «کیا تمہیں یقین نہیں ہے کہ میں زار اعظم ہوں؟ صاف جواب دو۔»

میں عجیب شش و پنج میں پڑ گیا۔ میں کسی طرح اس آوارہ گرد کو اپنا شہنشاہ نہیں مان سکتا تھا۔ اس بزدلی کو تو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اور اسکے منہ پر اسے دھوکہ‌باز کہنا موت کو دعوت دینا تھا۔ اور وہی بات جو میں نفرت کے بہاؤ میں پھانسی کے سائے میں کھڑے ہو کر، ان‌گنت لوگوں کی موجودگی میں کہنے کو تیار تھا وہی بات اب مجھے بےکار اور بےموقع بہادری کا اظہار معلوم ہوئی۔ میں ہچکچا رہا تھا۔ پوگاچیوف نہایت سنجیدگی سے میرے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ اور آخرکار (اور آج تک میں اس لمحے کو انتہائی فخر سے یاد کرتا ہوں) فرض کا احساس انسانی کمزوری پر غالب آ گیا۔ میں نے پوگاچیوف کو جواب دیا۔ «بہت اچھا۔ میں تمہیں سچ سچ پوری بات بتاؤں گا۔ تم خود ہی بتاؤ، میں تمہیں اپنا شہنشاہ کیسے مان لوں! تم سمجھدار آدمی ہو—خود ہی سمجھ جاؤگے کہ میں اوپری دل سے کہہ رہا ہوں۔»

«تو تم کیا کہتے ہو، کون ہوں میں؟»

«خدا جانے کون ہو، مگر تم جو بھی ہو، تم بہت خطرناک کھیل کھیل رہے ہو۔»

پوگاچیوف نے مجھ پر اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالی۔ «تو گویا تمہیں یقین نہیں ہے» اس نے کہا «کہ میں زار پیوتر فیودورووچ ہوں؟ بہت خوب مگر کیا تم نہیں مانتے کہ کامیابی ہمیشہ بہادروں کے قدم چومتی ہے؟ کیا پرانے زمانے میں گریشکا اوترےپیف (١٤) نے حکومت نہیں کی۔ میرے متعلق تم جو چاہے سمجھو، مگر رہو میرے ساتھ ہی۔ تمہیں اس سے کیا کہ میں کون ہوں؟ نام سے کیا فرق پڑتا ہے؟ سچائی اور وفاداری سے میری خدمت کرو، میں تمہیں شہزادہ اور فیلڈ مارشل بنا دوں گا۔ کہو کیا کہتے ہو؟»

«نہیں» میں نے انتہائی عزم کے ساتھ جواب دیا۔» میں شریف خاندان کا فرد ہوں، میں نے ملکہ کی وفاداری کی قسم کھائی ہے۔ میں تمہاری خدمت نہیں کر سکتا۔ اگر واقعی تم میرا بھلا چاہتے ہو تو مجھے اورن‌برگ جانے دو۔»

پوگاچیوف سوچ میں پڑ گیا۔ «اور اگر میں تمہیں جانے دوں» اس نے کہا «تو تم کم سے کم یہ وعدہ تو کرتے ہو کہ تم میرے خلاف نہیں لڑوگے؟»

«میں کیوں کر یہ وعدہ کر لوں؟» میں نے جواب دیا۔ «تم خود جانتے ہو میں آپ اپنی مرضی کا مالک نہیں ہوں۔ اگر مجھے تمہارے خلاف لڑنے کا حکم ملا، تو میں ضرور لڑوں گا اور بس۔ تم تو خود اب حاکم ہو۔ تم اپنے ماتحتوں سے وفاداری

کا مطالبہ کرتے ہو۔ بتاؤ اگر میں ایسے میں اپنی خدمات سے انکار کردوں، جب ان کی ضرورت ہے، تو خود تم میرے متعلق کیا سوچوگے؟ میری موت زندگی تمہارے ہاتھہ میں ہے — اگر تم نے مجھے جانے کی اجازت دے دی، تو میں تمہارا شکرگزار ہوں‌گا، اگر تم نے مجھے پھانسی پر لٹکا دیا، تو میرا خدا قیامت میں جواب طلب کرےگا ۔ بہرحال میں نے تمہیں صحیح صحیح بات بتا دی!»

میری صاف‌گوئی دیکھہ‌کر پوگاچیوف حیران رہ گیا ۔ «اچھا، اچھا» اس نے میرے شانے پر ہاتھہ مارتے ہوئے کہا ۔ «میں جب سزا دیتا ہوں تو پوری طرح دیتا ہوں۔ اور جب معاف کرتا ہوں، تو پوری طرح معاف کرتا ہوں۔ تمہارا جہاں دل چاہے وہاں جاؤ اور جو دل چاہے وہ کرو۔ کل صبح مجھہ سے رخصت ہو جاؤ۔ اور جاؤ اب گھر جاکر سو رہو، میری آنکھوں میں بھی نیند بھر رہی ہے ۔»

میں پوگاچیوف سے رخصت ہو کر مکان سے باہر نکلا ۔ رات خاموش اور سرد تھی ۔ چاند تارے چمک چمک کر چوک اور پھانسی پر روشنی بکھیر رہے تھے ۔ قلعے میں اندھیرا، اور خاموشی تھی ۔ صرف شراب‌خانے کی کھڑکیوں سے روشنی چھن رہی تھی، جہاں سے بڑی رات گئے تک عیاشی کرنے‌والوں کی آوازیں آ رہی تھیں ۔ میں نے پادری کے گھر کی طرف

دیکھا ۔ تمام دروازے اور چٹخنیاں بند تھیں ۔ ہر چیز پر سکوت طاری تھا ۔

میں گھر پہنچا تو دیکھا کہ ساویلچ میری غیر موجودگی پر آنسو بہا رہا ہے۔ میرے آزاد ہو جانے کی خبر سے اسکو دلی خوشی ہوئی ۔ «اے خدا تیرا لاکھہ لاکھہ شکر ہے!» اس نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بناتے ہوئے کہا ۔ «ہم صبح ہوتے ہی قلعے سے چل دیں‌گے، اور جہاں مناسب سمجھیں‌گے چلے جائیں‌گے ۔ میں نے تمہارے لئے کچھہ پکا رکھا ہے، مالک، کچھہ کھا پی لو اور صبح تک خدا کے حفظ و امان میں آرام سے سو رہو ۔»

میں نے اس کے مشورے پر عمل کیا، خوب پیٹ بھرکر کھایا اور زمین پر پڑکے بےخبر سو گیا ۔ میرا جسم اور روح تھکن سے چور چور تھے ۔

نواں باب

جدائی

تیری محبت کا جام کتنا حسین،
کتنا لطیف تھا، اے! میری پیاری،
میری محبوبہ
لیکن تیری جدائی کتنی تکلیف دہ،
کتنی جان لیوا تھی جیسے میرے روح
و جسم جدا ہو گئے ہوں۔ (۱۵)
خراسکوف

صبح سویرے طبل کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔
میں سیدھا وہاں پہنچا جہاں لوگ جمع ہو رہے تھے۔ پوگاچیوف
کے ساتھی پھانسی کے قریب جمع ہو رہے تھے۔ ان لوگوں
کی لاشیں ابھی تک پھانسی میں لٹکی ہوئی تھیں جو کل موت
کا شکار ہو چکے تھے۔ قضاق گھوڑوں پر سوار تھے اور ہر
شخص رائفلوں سے مسلح تھا۔ پھریرے لہرا رہے تھے۔ کئی
توپیں گاڑیوں پر رکھی ہوئی تھیں، جن میں میں نے اپنی توپ
کو الگ سے پہچان لیا۔ قلعے کے تمام باسی وہاں موجود
تھے اور نقلی زار کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ کپتان

کے گھر کے سامنے ایک قضاق کھڑا تھا۔ اس نے سفید نسل کے ایک
شاندار گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔ میں نے نظروں ہی نظروں
میں کپتان کی بیوی کی لاش کو تلاش کیا۔ اسے ذرا ایک طرف کو
سرکا کے بوری سے ڈھک دیا گیا تھا۔ آخرکار پوگاچیوف
برساتی سے نمودار ہوا۔ لوگوں نے تعظیماً اپنی ٹوپیاں اتار
لیں۔ پوگاچیف نے برساتی میں کھڑے ہوکر ان سب کو سلام
کیا۔ اس کے ایک اہم ساتھی نے اسے تانبے کے سکوں سے
بھرا ہوا ایک تھیلا دیا اور اس نے مٹھی بھر بھر کر سکے
لٹانا شروع کئے۔ ہر شخص سکے بٹورنے کے لئے دوڑا۔
اس کشمکش میں بعض بعض کچل بھی گئے۔ پوگاچیوف اپنے
خاص خاص مشیروں میں گھرا کھڑا تھا۔ شوابرن بھی ان میں
سے ایک تھا۔ ہماری نظریں چار ہوئیں۔ میری نظروں میں
نفرت و حقارت کے جذبات دیکھ کر اس نے دلی کینے اور
عداوت کے ساتھ تیوری چڑھاکر منہ پھیر لیا۔ ہجوم میں
مجھ پر نظر پڑتے ہی پوگاچیوف نے اشارے سے مجھے سلام
کیا اور مجھے اپنے پاس بلایا۔ «بات سنو» اس نے کہا۔
«سیدھے اورن برگ جاؤ اور گورنر اور جنرلوں سے کہو کہ
میں ہفتے بھر کے اندر اندر پہنچ رہا ہوں۔ انہیں سمجھاؤ
کہ وہ معصوم بچوں کی سی محبت اور سعادت مندی سے میرا
استقبال کریں۔ ورنہ وہ موت کے پنجے سے نہ بچ سکیں گے۔
سفر بخیر جناب عالی!» وہ مجمع کی طرف پلٹا اور شوابرن کی
طرف اشارہ کر کے اس نے کہا «بھائیو۔ لو یہ تمہارے نئے

کمانڈر ہیں! ہر موقع پر اس کی اطاعت کرنا، وہ تمہارے اور قلعے کے لئے میرے سامنے جواب دہ ہوگا۔» یہ الفاظ سن کر میرا دل دھک سے ہو گیا۔ شوابرن قلعہ کا حاکم ہے، ماریا ایوانوونا اس کے قبضے میں ہوگی! میرے خدا! اس کا کیا حشر ہوگا؟ پوگاچیوف برساتی کی سڑھیوں سے اترا۔ فوراً گھوڑا حاضر کیا گیا۔ اور اس سے پہلے کہ قضاق اس کی مدد کو آگے بڑھے اس نے تیزی سے رکاب میں پاؤں رکھہ دئیے۔

اسی وقت میں نے دیکھا کہ ساویلچ مجمع کو چیرتا پھاڑتا آیا اور پوگاچیوف کے ھاتھہ میں ایک کاغذ تھمایا۔ میں حیران تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ «یہ کیا ہے؟» پوگاچیوف نے نہایت شان وشوکت کے ساتھہ پوچھا۔

«پڑھکے دیکھو، پتہ چل جائےگا کیا ہے۔» ساویلچ نے جواب دیا۔ پوگاچیوف نے کاغذ لے لیا، اور کئی لمحے معنی خیز انداز سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ «تم اس قدر شکستہ خط میں لکھتے ہو» آخر کار اس نے کہا «ہماری روشن آنکھیں اس سے کچھہ نہیں سمجھہ سکیں۔ میرا معتمد خاص کہاں ہے؟»

کارپورل کی وردی پہنے ہوئے ایک نوجوان تیزی سے پوگاچیوف کی طرف بھاگا۔ «بلند آواز سے پڑھو» پوگاچیوف نے اسے کاغذ دیتے ہوئے کہا۔ میں یہ جاننے کو بے تاب تھا کہ میرے اتالیق کے سر میں پوگاچیوف کو کیا لکھنے کا سودا

سمایا۔ معتمد خاص نے باآواز بلند ایک ایک لفظ پر زور دے کر پڑھنا شروع کیا۔

«دو لبادے، ایک سوتی اور ایک دھاری دار ریشمی۔ قیمت چھہ روبل۔»

«اس کا کیا مطلب ہے؟» پوگاچیوف نے تیوری چڑھاکر پوچھا۔

«اس سے کہئے پڑھتا جائے» ساویلچ نے انتہائی سکون سے جواب دیا۔

معتمد خاص نے آگے پڑھا:

«عمدہ کپڑے کا ایک سبز فوجی کوٹ، قیمت سات روبل۔

سفید پتلون، قیمت پانچ روبل۔

بارہ کف دار سوتی قمیص، قیمت دس روبل۔

چائے کا سیٹ، قیمت ڈھائی روبل...»

«یہ سب کیا خرافات ہے؟» پوگاچیوف چیخ اٹھا۔ «مجھے تمہارے چائے کے سیٹوں، پتلونوں اور کفوں سے کیا مطلب؟»

ساویلچ نے حلق صاف کرکے بتانا شروع کیا۔ «دیکھئے جناب، یہ میرے مالک کی ان چیزوں کی فہرست ہے جو بدمعاشوں نے چرالیں...»

«کون بدمعاش؟» پوگاچیوف گرجا۔

«معاف کیجئے گا میری زبان بچل گئی۔» ساویلچ نے کہا۔ «بدمعاش یا آپکے ساتھی، جو بھی ہوں جنہوں نے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا اور ہمارے سامان پر قبضہ کر لیا۔ خفا نہ

ہوئیے۔ کبھی کبھی تو چار ٹانگوں کا گھوڑا بھی بدک ہی
جاتا ہے۔ اس سے کہئیے آگے پڑھے۔»

«پڑھو، پڑھو» پوگاچیوف نے کہا۔ معتمد آگے بڑھا۔

«ایک روئی دار سوتی لحاف ایک ریشمی لحاف، چار روبل۔
لال رنگ کا ایک کوٹ، جس میں لومڑی کے سمور کا
استر ہے، چالیس روبل۔

ایک خرگوش کی کھال کا کوٹ جو سرائے میں جناب
عالی کو دیا گیا، پندرہ روبل۔»

«یہ سب کیا بکواس ہے؟» پوگاچیوف چلایا۔ اس کی آنکھوں
سے شعلے نکل رہے تھے۔

سچ تو یہ ہے که مجھے بچارے ساویلچ کی طرف سے
خطرہ پیدا ہو گیا۔ وہ تو اور وضاحت کرنے والے تھے۔ مگر
پوگاچیوف نے بات کاٹ دی۔ «تمہیں ان معمولی چیزوں کے
لئے مجھے تکلیف دینے کی جرات کیسے ہوئی؟» وہ معتمد کے
ہاتھ سے کاغذ چھین کے ساویلچ کے منه پر مارتے ہوئے پھنکارا۔
«بے وقوف بوڑھا! ان کی چوری ہوگئی— واقعی کس قدر بد
قسمتی ہے! تمہیں تو زندگی بھر میرا اور میرے ساتھیوں کا
شکر گزار رہنا چاہئے که ہم نے تمہیں اور تمہارے مالک کو
ان سب کے ساتھ پھانسی پر نہیں لٹکایا جنہوں نے ہماری
اطاعت سے انکار کر دیا تھا۔ خرگوش کی کھال کا کوٹ!
میں بتاؤں گا تمہیں کیسا کوٹ! کیا تم نہیں جانتے که میں
چاہوں تو تمہاری کھال کھنچوا کر اس کا کوٹ بنوا لوں؟»

«جیسی آپکی مرضی» ساویلچ نے جواب دیا۔ «میں تو
غلام آدمی ہوں، مجھے اپنے مالک کے سامان کے لئے جواب دہ
ہونا ہے۔»

معلوم ہوتا ہے که پوگاچیوف کے دل میں نیکی آ گئی۔
وہ مڑا اور ایک لفظ کہے بغیر اس نے گھوڑا بڑھا دیا۔ شوابرن
اور اہم قضاق اس کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ بہت منظم طریقے
سے قلعه سے نکلے۔ مجمع پوگاچیوف کو جاتے دیکھنے کے لئے
پیچھے پیچھے چلا۔ میں اور ساویلچ چوک میں اکیلے رہ گئے۔ میرے
اتالیق صاحب کا کاغذ اس کے ہاتھه میں تھا، وہ نہایت افسوس
سے اسے دیکھه رہا تھا۔

میرے اور پوگاچیوف کے درمیان خوشگوار تعلقات دیکھه
کر اس نے اس موقع کا فائدہ اٹھانے کی ٹھانی، مگر وہ اپنے
عاقلانه منصوبوں میں ناکام رہا۔ میں چاہتا تھا که اس کے
اس بے موقع جوش پر اسکو برا بھلا کہوں، لیکن میری ہنسی
روکے نہیں رک رہی تھی۔ «خوب ہنس لیجئے جناب» ساویلچ
نے کہا «جب گھرداری کی ہر چیز نئے سرے سے خریدنی
پڑے گی جب دیکھیں گے کیسے ہنسی آتی ہے۔»

میں ماریا ایوانوونا سے ملنے کے لئے تیزی سے پادری
کے گھر کی طرف چلا۔ پادری کی بیوی مجھے بہت اداس
اور پریشان نظر آئیں۔ رات سے ماریا ایوانوونا کو شدید بخار
ہو گیا تھا اور اس وقت وہ بے ہوشی اور ہذیان کے عالم

میں پڑی تھی۔ پادری کی بیوی مجھے اس کے کمرے میں لے
گئیں۔ میں آہستہ آہستہ پلنگ کے قریب گیا۔ اس کی بدلی
ہوئی صورت دیکھ کر میں بھونچکا رہ گیا۔ اس نے مجھے
پہچانا بھی نہیں۔ میں بہت دیر تک اسکے سرہانے کھڑا رہا،
میں فادر گراسیم اور ان کی مہربان بیوی کی کوئی بات نہ
سمجھ سکا، شاید وہ مجھے تسلی دینے کی کوشش کر رہے
تھے۔ مجھے برے برے وہم آ رہے تھے۔ ظالم باغیوں کے
پنجے میں پھنسی ہوئی اس بےآسرا لڑکی کے خیال سے اور
اپنی لاچاری اور مجبوری کو دیکھتے ہوئے مجھے انتہائی وحشت
ہو رہی تھی۔ اور شوابرن، سب سے زیادہ شوابرن کا خیال
میرا پیچھا کر رہا تھا۔ شوابرن اس نقلی زار کے ذریعے قلعے کا
ذمہ‌دار اور حاکم بن بیٹھا تھا۔ اور اسی قلعے میں اس کی
نفرت کا شکار یہ معصوم و بدقسمت لڑکی بے یار ومدد گار
پڑی تھی۔ خدا جانے وہ کیا کر بیٹھے۔ میں کیا کر سکتا
ہوں؟ میں کیسے اس کی مدد کروں۔ کیسے اسے بدمعاش کے
پنجے سے چھڑاؤں؟ میرے سامنے صرف ایک راستہ تھا۔ میں
نے فیصلہ کیا کہ میں سیدھا اورن برگ جاؤں گا تاکہ بیلو گورسک
کا قلعہ جلد از جلد آزاد کرایا جا سکے، میں نے سوچا
کہ میں جان لڑا دوں گا کہ یہ سب جلد از جلد ہو سکے۔
میں پادری اور اکولینا پمفی‌لوونا سے رخصت ہوا۔ میں نے
بہت منت سے ان سے اس غمزدہ لڑکی کی دیکھ بھال کرنے

کی درخواست کی جو مجھے بیوی کی طرح عزیز تھی۔ میں
نے بچاری دوشیزہ کا ہاتھ تھام کر پیار کیا۔ اس کا ہاتھ
میرے آنسوؤں سے تر ہوگیا۔ «خدا حافظ» پادری کی بیوی نے
کہا۔ وہ دروازے تک میرے ساتھ آئیں۔ «خدا حافظ پیوتر
اندرےیچ خدا نے چاہا تو اچھے دن لوٹ آئیں گے اور ہم پھر
ملیں گے۔ ہمیں بھلا نہ دینا، خط برابر لکھتے رہنا۔ غریب
ماریا ایوانوونا کا تمہارے سوا اب دنیا میں کوئی نہیں بیٹھا
ہے جو اس سے تسلی کے دو بول کہے اور اس کی خبرگیری
کرے۔»

چوک میں پہنچ کر میں پھانسی دیکھنے کے لئے ایک
لمحے کو رکا۔ تعظیماً اس کے سامنے جھکا اور قلعے کے احاطے
سے نکل آیا۔ میں ساویلچ کے ہمراہ، جو برابر میرے ساتھ
ساتھ تھا، اورن برگ جانے والی سڑک پر روانہ ہو گیا۔
میں خیالات میں ڈوبا ہوا چلا جا رہا تھا کہ پیچھے سے گھوڑے
کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا کہ ایک قضاق
قلعے سے نکل کر سرپٹ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آ رہا ہے۔
اس نے ایک بشکیر گھوڑے کی لگام بھی تھام رکھی تھی، وہ
دور ہی سے مجھے اشارے کر رہا تھا۔ میں ٹھیر گیا اور
بہت جلد میں نے پہچان لیا کہ وہ ہمارا سارجنٹ تھا۔ ہمارے
قریب پہنچ کر وہ گھوڑے سے اترا، اور دوسرے گھوڑے کی
لگام میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے اس نے کہا «جناب عالی!
ہمارے مالک نے آپ کو یہ گھوڑا اور یہ کوٹ بھیجا ہے جو

ان کے پہننے کا تھا (بھیڑ کی کھال کا ایک کوٹ زین پر بندھا ہوا تھا) _ ساتھ ھی انہوں نے...» یہ کہتے کہتے سارجنٹ رکا اور اس نے جھجکتے ہوئے کہا «پچاس کوپک بھی بھیجے ھیں _ مگر وہ راستے میں مجھ سے کھو گئے _ مہربانی سے معاف کر دیجئے _» ساویلچ کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھ کر بڑبڑا اٹھا _ «راستے میں کھو گئے؟ اور تمہارے قمیص کے اندر یہ کیا کھنک رہا ھے؟ بے شرم!» «میرے قمیص میں کھنک رہا ھے؟» سارجنٹ نے انتہائی لاپرواھی سے دوھرایا _ «خدا تم پر رحم کرے بڑے میاں _ یہ روپیہ نہیں بھائی یہ تو لگام ھے _» «اچھا اچھا» میں نے بات ختم کرتے ہوئے کہا «جس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ھے اس کا شکریہ ادا کرنا _ اور تم نے راستے میں جو پچاس کوپک کھو دئے ھیں انہیں تلاش کرنے کی کوشش کرنا اور اس کی شراب اڑا لینا _» «شکریہ جناب عالی» اس نے گھوڑا موڑتے ہوئے جواب دیا _ «میں ھمیشہ اپ کے لئے دعا کروں گا _» یہ کہکر اس نے گھوڑا دوڑا دیا اور واپس چلا گیا _ وہ ایک ھاتھ سے قمیص کا دامن تھامے ہوئے تھا، ایک منٹ میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا _

میں نے بھیڑ کی کھال کا کوٹ پہنا اور زین پر بیٹھ گیا _ میں نے ساویلچ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا _ «جناب دیکھا تم نے» بڑے میاں نے کہا _ «میں نے اچھا ھی کیا تھا کہ بدمعاش کو فہرست دے دی تھی! آخر لٹیرے کو شرم آئی، یہ ٹھیک ھے کہ جو کچھ تم نے اسے عنایت کیا تھا، اس کا تو سوال ھی نہیں، یہ لمبٹنگو بشکیر ٹٹو اور بھیڑ کی کھال کا کوٹ تو اس سے آدھی قیمت کا بھی نہیں ھے جو بدمعاشوں نے ھمارا چرایا _ مگر پھر بھی یہ کام آئے گا _ بھاگتے چور کی لنگوٹی بھی بھلی!»

دسواں باب

شہر کا محاصرہ

وہ کہساروں اور مرغزاروں میں خیمہ‌زن ہوا،
اور عقابی شان سے شہر کو تکتا رہا۔
خیمے کے آگے توپ گاڑی بنوائی جس کے
اندر بارود چھپا ہوا تھا۔
جسے تاریکئی شب میں اس نے آگے بڑھایا۔ (۱۶)

خراسکوف

اورن‌برگ پہنچتے ہی ہمیں سزا یافتہ لوگوں کا ایک ہجوم نظر آیا۔ جن کی چاندیں گنجی کر دی گئی تھیں، اور چہرے زود و کوب کی وجہ سے مسخ ہوگئے تھے۔ یہ لوگ محافظ فوج کے ناکارہ سپاہیوں کی نگرانی میں قلعہ بندی کر رہے تھے۔ کچھ کھائی سے کوڑاکرکٹ نکال کر گاڑیوں میں بھر بھر کر لے جا رہے تھے اور کچھ زمین کھود رہے تھے۔ راج مزدور اینٹیں لے لے کر فصیل پر چڑھ رہے تھے اور شہر کی دیوار کی مرمت ہو رہی تھی۔ پھاٹک پر ہمیں سنتریوں نے روک دیا اور ہمارے پاسپورٹ مانگے۔ سارجنٹ

یہ سنتے ہی کہ میں بیلوگورسک قلعے سے آیا ہوں، مجھے جنرل کے گھر لے گیا۔

جنرل باغ میں ملے۔ وہ اپنے سیب کے درختوں کا معائنہ کر رہے تھے، جن کے پتے خزاں کی ہواؤں کی نذر ہو چکے تھے۔ وہ مالی کی مدد سے بہت احتیاط سے انہیں گھاس پھونس میں لپیٹ رہے تھے۔ ان کے چہرے سے سکون، صحت مندی اور خوش مزاجی ٹپک رہی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور انہوں نے مجھ سے میرے آنکھوں دیکھے خوفناک حالات کے بارے میں پوچھ گچھ شروع کر دی۔ میں نے سب کچھ انہیں بتایا۔ اور درختوں کی سوکھی ہوئی پتیوں کی کاٹ چھانٹ کے ساتھ ساتھ وہ توجہ سے میری بات سنتے رہے۔ «بچارا میرونوف» میری اداس کہانی ختم ہونے کے بعد انہوں نے کہا۔ «کتنی افسوس کی بات ہے! وہ لاجواب افسر تھا۔ اور مادام میرونووا بہت نیک‌دل عورت تھیں۔ وہ اتنی اچھی طرح سانپ کی چھتریاں پکاتی تھیں۔ اور کپتان کی بیٹی ماشا کا کیا ہوا؟» میں نے جواب دیا کہ وہ پادری کی بیوی کی نگرانی میں ہے اور ابھی تک قلعے ہی میں ہے۔ «اے ہے! یہ تو بہت برا ہوا» جنرل نے کہا «بہت برا ہوا! ان بدمعاشوں کے اصولوں اور اخلاق کا کیا بھروسہ۔ نجانے بچاری لڑکی کا کیا حشر ہو؟» میں نے کہا کہ بیلوگورسک کا قلعہ زیادہ دور نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ عالی جاہ قلعے کے بدقسمت مکینوں کو آزاد کرانے کے

لئے ضرور فوج بھیجیں گے۔ جنرل نے شک کے ساتھ سر
ہلایا۔ «دیکھیں گے! ہم سوچیں گے! اس پر غور کرنے کو
بہت وقت پڑا ہے۔ شام کو میرے ساتھ ایک ادھ پیالی
چائے پینا۔ آج میں فوجی مشورے کے لئے جلسہ کر رہا ہوں۔
وہاں تم ہمیں اس بدمعاش پوگاچیوف اور اسکی فوجوں کے
بارے میں ٹھیک ٹھیک اطلاع دینا۔ جاؤ اب آرام کرو۔»

میں اس کمرے میں پہنچا جو مجھے دیا گیا تھا۔ ساویلچ
پہلے ہی گھرداری میں مصروف تھا۔ میں حتی الامکان انتہائی
صبر سے مقررہ وقت کا انتظار کرنے لگا۔ آپ اچھی طرح
سمجھ سکتے ہیں کہ میں ٹھیک وقت پر جلسے میں پہنچ گیا،
کیونکہ اس جلسے ہی میں تو میری قسمت کا فیصلہ ہونے والا
تھا۔ وقت مقررہ پر میں جنرل کے مکان پر تھا۔

وہاں مجھے شہر کے افسروں میں سے ایک صاحب ملے
جو جہاں تک مجھے یاد ہے محصول گھر کے منتظم تھے۔
تنومند اور سرخ گالوں والے یہ بڑے میاں کمخواب کے کوٹ
میں ملبوس تھے۔ وہ مجھ سے ایوان کوزمیچ کے حسرت ناک
انجام کے متعلق پوچھتے رہے، انہوں نے بتایا کہ ایوان کوزمیچ
ان کے پرانے دوست تھے۔ وہ برابر نئے نئے سوال کر کے اور
مختلف صلاحیں دے دے کر بیچ بیچ میں میری بات کاٹتے رہے۔
ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ اگرچہ فوجی معاملات کے
متعلق ان کی سمجھ بوجھ واجبی ہی واجبی ہے، مگر یہ
اندازہ ضرور ہوتا تھا کہ وہ تیز آدمی ہیں اور بہت جلدی

بات کی جڑ تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس عرصے میں دوسرے
مہمان بھی آ گئے۔ خود جنرل کے علاوہ ان میں سے ایک
شخص کا بھی فوج سے دور دور کا تعلق نہیں تھا۔ سب
لوگ بیٹھ گئے اور چائے پیش کی جا چکی تو جنرل نے بہت
تفصیل اور وضاحت سے موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالی۔

«حضرات، اب» انہوں نے کہا «ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ
باغیوں کے خلاف کیا قدم اٹھائے جائیں — آیا ہمیں پہل کرنی
چاہئے یا اپنی کارروائیاں صرف اپنے بچاؤ تک محدود رکھیں؟
دونوں طریقوں کے اپنے اپنے فائدے اور اپنے اپنے نقصان ہیں۔
حملہ کرنے کی صورت میں کم سے کم مدت میں دشمن کو نیست
و نابود کرنے کا زیادہ امکان ہے، لیکن بچاؤ کی کارروائی پر
زیادہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور یہ ہے بھی زیادہ محفوظ۔
اس لئے ہم مناسب طریقے سے شروع کر کے، یعنی موجودہ
لوگوں میں سب سے نیچے درجے سے شروع کر کے فرداً فرداً
سب کی رائے لیں گے۔ انہوں نے میری طرف پلٹتے ہوئے کہا
«مہربانی سے اپنی رائے دیجئے۔»

میں کھڑا ہوا، اور چند لفظوں میں پوگاچیوف اور اس
کے جتھے کے بارے میں بیان کرنے کے بعد میں نے کہا کہ
یہ نقلی زار باقاعدہ اور معقول فوج کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

افسروں نے میری رائے کو زیادہ پسند نہیں کیا۔ ان کی
نظر میں یہ جوانی کا جوش اور جلدبازی تھی۔ ہر طرف کھسر
پھسر ہونے لگی۔ اور میں نے کسی کو دھیمی آواز میں «بدھو»

کہتے سنا ۔ جنرل میری طرف مڑے اور انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا «جناب! فوجی مشورے کی مجلس میں پہلی رائے عام طور پر حملے کے حق میں ہوتی ہے۔ اور یہ قدرتی بات ہے۔ اب ہم دوسری رائیں لیں گے۔ کاؤنسلر صاحب! آپ بھی کچھ کہئے۔»

کمخواب کے کوٹ والے بڑے میاں نے جلدی جلدی تیسری پیالی چائے چڑھائی جس میں کافی مقدار میں رم ملی ہوئی تھی اور جنرل سے کہا: «جناب عالی، میری رائے میں ہمیں نہ پہل کرنی چاہئے نہ بچاؤ۔»

«کیا، کیا کہا، کاؤنسلر!» جنرل نے حیرت سے کہا ۔ «مگر اور کیا طریقہ ہے۔ یا حملہ کر سکتے ہیں، یا صرف بچاؤ کا راستہ اختیار...»

«رشوت ستانی کا راستہ اختیار کیجئے، عالی جاہ۔» «واہ واہ! بہت معقول رائے ہے تمہاری — رشوت ستانی کا طریقہ اپنانے کی ضرور اجازت ہے، ہم ضرور تمہارے مشورے پر عمل کریں گے۔ مثلاً ہم اس بدمعاش کے سر کے لئے خفیہ خزانے سے ستر روبل پیش کر سکتے ہیں... یا شاید سو روبل...»

«اور پھر» محصول کے افسر نے ٹوکا «اگر یہ لٹیرے اپنے سردار کو پابہ دست دگرے دست بہ دست دگرے نہ لے آئیں تو میرا نام کاؤنسلر کے بجائے کرغیز بھیڑ رکھدیجئے گا!»

«اس مشورے پر بعد میں غور کریں گے» جنرل نے جواب دیا ۔ «بہر حال کوئی بھی صورت ہو مگر فوجی طریقے بھی

اپنائے ہوں گے۔ صاحبو اب سب لوگ باری باری سے اپنی رائے دیجئے۔»

جتنی رائیں آئیں سب میری رائے کے خلاف تھیں۔ ہر ایک افسر فوجوں کے ناقابل بھروسہ ہونے، کامیابی کے غیریقینی ہونے، اور ہوشیاری اور سمجھ بوجھ اور نجانے کس کس چیز کی بات کرتا رہا ۔ سب کا خیال تھا کہ بے سوچے سمجھے میدان میں جنگ آزمائی کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ پتھر کی مضبوط دیواروں کے سائے میں رہیں کیوں کہ توپیں ان دیواروں کی حفاظت کریں گی۔ آخرکار سب کی رائے سننے کے بعد پائپ کی راکھ جھاڑتے ہوئے جنرل نے تقریر کی:

«دوستو! میں بتانا چاہتا ہوں کہ میں پوری طرح پیوتر اندریےیچ کا ہمخیال ہوں، کیوں کہ اس کی رائے صحیح فوجی طریقۂ کار کے اصولوں پر مبنی ہے۔ ان اصولوں کے مطابق، کم و بیش ہر صورت میں صرف بچاؤ کے بجائے بڑھ کر حملہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔»

اتنا کہہکر وہ رکے اور اپنا پائپ بھرنے لگے۔ میری خودی فتحیاب ہو رہی تھی۔ میں نے غرور اور فخر سے دوسرے افسروں کی طرف دیکھا ۔ یہ افسر پریشانی الجھن اور بے اطمینانی کے ساتھ کھسر پھسر کر رہے تھے۔

«لیکن حضرات» جنرل نے گہرے سانس کے ساتھ دھوئیں کا بادل چھوڑتے ہوئے کہا «میں اس حالت میں اتنی بڑی

ذمہ‌داری اپنے کندھوں پر نہیں لے سکتا، جب خود ان صوبوں کی حفاظت کا سوال ہے، جن کی ذمہ‌داری ملکۂ عالیہ، ہماری پیاری ملکہ نے مجھے سونپی ہے۔ چنانچہ میں اکثریت کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں جس کے مطابق فیصلہ ہوا ہے کہ سب سے زیادہ صحیح اور یقینی قدم یہ ہوگا کہ شہر کے اندر رہ کر محاصرے کا انتظار کریں، اور اپنے توپ خانے کی مدد سے اور (اگر یہ ممکن ہو تو) محاصرہ کرنے والوں پر حملہ کرکے دشمن کی فوجوں کو مار بھگائیں۔»

اور اب افسروں کی باری تھی کہ وہ میرا مذاق اڑائیں۔ مجلس برخاست ہو گئی۔ مجھے اس قابل احترام سپاہی کی کم‌ہمتی پر بہت رحم آیا جس نے اپنی رائے کے خلاف ان ناتجربہ کار اور جاہل لوگوں کی رائے کے آگے سر جھکا دیا۔

اس مجلس کے چند ہی دن بعد ہمیں معلوم ہوا کہ پوگاچیوف اپنے اعلان کے مطابق اورن‌برگ آ رہا ہے۔ میں نے شہر کی فصیل پر چڑھ کر دشمن کی فوج کو دیکھا۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوا کہ پچھلے حملے سے، جو میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا، اب تک ان کی تعداد دس گنا بڑھ گئی تھی۔ اب ان کے پاس توپ خانہ بھی تھا، جو پوگاچیوف اپنے فتح کئے ہوئے چھوٹے قلعوں سے لایا تھا۔ مجلس کا فیصلہ یاد آتے ہی میری نظروں میں اورن‌برگ کی چار دیواری کے اندر ایک طویل نظر بندی کا منظر ابھرا۔ میں پریشانی اور الجھن کے مارے رونکھا سا ہو گیا۔

میں اورن‌برگ کا محاصرہ بیان نہیں کروں گا جو تاریخی واقعہ ہے اور خاندانی یادوں کا مرہون منت نہیں ہے۔ ہاں میں اتنا ضرور کہوں گا کہ مقامی افسروں کی لاپرواہی کی وجہہ سے شہریوں کے لئے یہ محاصرہ سخت تباہ‌کن ہو گیا۔ وہ قحط اور اسی قسم کی دوسری مصیبتوں کا شکار ہو گئے۔ اور یہ قدرتی بات تھی کہ اورن‌برگ میں زندگی ناقابل برداشت ہو گئی۔ ہر شخص بےتابی سے اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کر رہا تھا اور ہر شخص بے تحاشہ بڑھتی ہوئی قیمتوں سے پریشان تھا۔ لوگ اسکے عادی ہو گئے تھے کہ توپ کے گولے ان کے صحنوں میں گرتے رہیں یہاں تک کہ اب تو پوگاچیوف کے حملوں سے بھی لوگوں کو کوئی خاص پریشانی اور گھبراہٹ نہیں ہوتی تھی۔ میں بے کاری کی وجہ سے زندگی سے بیزار تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ مجھے ابھی تک بیلوگورسک قلعے سے کوئی خط نہیں ملا تھا۔ تمام راستے بند ہو چکے تھے۔ میرے لئے ماریا ایوانوونا کی جدائی ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی قسمت کے متعلق میں بالکل اندھیرے میں تھا اور اس سے مجھے دلی تکلیف ہو رہی تھی۔ صرف تھوڑی بہت گھوڑے سواری ہی فضا میں کچھ تبدیلی پیدا کرتی تھی۔ خدا بھلا کرے پوگاچیوف کا، جس کی وجہ سے میرے پاس گھوڑا بہت اچھا تھا۔ میں اسے اپنے برائے نام کھانے میں سے حصہ دیتا، اور روزانہ اس پر بیٹھ کر شہر سے باہر نکل جاتا، اور پوگاچیوف کے گھوڑے سواروں پر دوچار گولیاں

برسا لیتا ۔ ان چھوٹی موٹی لڑ لڑائیوں سے فائدہ عام طور پر باغیوں ہی کو ہوتا، جنہیں پیٹ پیٹ بھر کھانے کو ملتا، دل بھر کے شراب ملتی اور پھر وہ عمدہ عمدہ گھوڑوں پر سوار بھی تو تھے ۔ شہر کی فاقہ‌زدہ سوار فوج‌فوج ان کی ہوا کو بھی نہ پہنچتی ۔ کبھی کبھی ہماری بھوکی پیاسی‌سی پیدل فوج میدان مار لیتی، مگر برف کی موٹی تہوں کی وجہ سے سے وہ یہاں سے وہاں تک پھیلے ہوئے سواروں کو کوئی خاص نقصان نہ پہنچا سکتی ۔ مچان کے اوپر سے ہماری توپیں گولےگولے برساتیں مگر بیکار، اور جب میدان میں آتیں تو برف میں پھ پھنس کر رہ جاتیں، اور گھوڑے اتنے کمزور ہو چکے تھے اور اتنے اتنے تھکے ہوئے تھے کہ وہ انہیں کھینچ ہی نہ پاتے ۔ تو یہ رنگرنگ تھا ہماری فوجی کارروائیوں کا! اور یہ تھا جسے اورن‌برگ کے افسر سمجھ‌داری اور احتیاط کے نام سے یاد کر رہے تھے!

ایک دن تو ہم نے کسی نہ کسی طرح دشمن کے خاصے بڑے دستے کو مار بھگایا ۔ میں میں نے ایک قضاق کو جالیا، جو اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا تھا ۔ میں اپنی ترکی تلوار سے اس پر وار کر ہی رہا تھا کہ وہ اپنی ٹوپی اتارتے ہوئے چلایا «پیوتر اندریے‌یچ، کہئے سب خیرخیریت ہے!»

میں نے اس کی طرف دیکھ‌دیکھا اور اپنے سارجنٹ کو پہچان لیا ۔ میں اسے دیکھ کر خوشی‌خوشی سے دیوانہ ہو گیا ۔ «ارے میکسی‌مچ تم!» میں نے کہا ۔ «کیا تمہیں بیلوگورسک سے آئے ہوئے بہت دن ہو گئے؟»

«نہیں زیادہ دن نہیں ہوئے پیوتر اندریے‌یچ جناب، میں تو کل تک وہیں تھا ـ میرے پاس آپکے لئے ایک پرچہ ہے ـ»

«کہاں ہے؟» میں جذبات کی شدت سے سرخ ہو کر چلایا ـ

«یہ لیجئے!» میکسی‌مچ نے قمیص کے اندر ہاتھہ ڈالتے ہوئے کہا ـ «میں نے پالاشا سے وعدہ کیا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح آپ تک پہنچا دوں گا ـ» اس نے ایک تہہ شدہ خط مجھے دیا اور گھوڑا دوڑا کر ہوا ہو گیا ـ میں نے کاغذ کھولا، اور جذبات کی شدت کے ساتھہ مندرجۂ ذیل سطریں پڑھیں:

«خداکی یہی مرضی تھی کہ میں یکایک ماں باپ دونوں سے محروم ہو جاؤں ـ اب اس دنیا میں میرا کوئی عزیز رشتے دار نہیں ہے، کوئی نہیں ہے جو میرے سر پر ہاتھہ رکھے ـ میں جانتی ہوں کہ تم نے ہمیشہ میرا بھلا چاہا ہے اور تم ہمیشہ ہر مصیبت زدہ کی مدد کے لئے تیار رہتے ہو ـ اس لئے میں تمہارا سہارا ڈھونڈ رہی ہوں ـ خدا کرے یہ خط تم تک پہنچ جائے ـ میکسی‌مچ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تم تک پہنچا دے گا ـ پالاشا نے میکسی‌مچ سے سنا ہے کہ اس نے محاصرین کے حملے کے دوران میں کئی دفعہ تمہیں دیکھا ـ اس نے بتایا کہ تم نہ کبھی اپنی ذرہ برابر پرواہ کرتے ہو نہ ان کا خیال جو رو رو کر تمہارے لئے دعا کر رہے ہیں ـ میں بہت دن بیمار رہی ـ اور جب اچھی ہوئی تو الکسی ایوانووچ نے، جو اب میرے مرحوم باپ کی جگہ قلعے کا حاکم

ہے، فادر گراسیم کو مجبور کیا کہ وہ مجھے اس کے حوالے کر دیں ورنہ وہ پوگاچیوف سے شکایت کر دے گا ۔ اور اب میں اپنے ہی گھر میں اسیر ہوں ۔ الکسی ایوانووچ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں اس سے شادی کر لوں ۔ اس کا کہنا ہے کہ اس نے میری جان بچائی، کیونکہ جب ایکولینا پمفی‌لوونا نے بدمعاشوں سے کہا کہ میں ان کی بھانجی ہوں، تو اس نے راز فاش نہیں کیا تھا ۔ الکسی ایوانووچ جیسے آدمی سے شادی کرنے سے تو کہیں بہتر ہے کہ میں جب ہی مر جاتی ۔ وہ مجھ سے بہت ظالمانہ سلوک کر رہا ہے اور مجھے دھمکی دے رہا ہے کہ اگر میں نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا، اور اس سے شادی نہ کی تو وہ مجھے باغیوں کے پاس لے جائے گا ۔ اور پھر وہ کہتا ہے کہ میرا بھی وہی حشر ہوگا جو لزاویتا خارلووا کا ہوا ۔ میں نے الکسی ایوانووچ سے منت کی ہے کہ وہ مجھے سوچنے کا موقع دے ۔ وہ تین دن انتظار کرنے کو تیار ہو گیا ہے اور اگر میں نے ان تین دن کے اندر اندر اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تو وہ بالکل رحم نہیں کھائے گا ۔ پیوتر اندرے‌یچ پیارے! تم ہی میرے سہارے ہو ۔ ایک بدقسمت لڑکی کی مدد کرو! جنرل سے اور سب کمانڈروں سے کہو کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو ہمیں کمک بھیجیں، اور اگر آ سکو تو تم خود بھی آ جاؤ! ایک غریب یتیم

ماریا میرونووا»

خط پڑھتے ہی میرا دماغ خراب سا ہو گیا ۔ میں بے رحمی سے اپنے بے زبان گھوڑے کو مارتا ہوا شہر کی طرف دوڑا ۔ راستے بھر میں غریب لڑکی کو بچانے کی ترکیب سوچتا رہا ۔ مگر کوئی راستہ نظر نہ آیا ۔ شہر میں گھستے ہی میں سیدھا جنرل کے گھر گیا، اور اندھا دھند سیدھا ان کے سامنے پہنچا ۔ وہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہے تھے اور پائپ پی رہے تھے ۔ مجھے دیکھ کر وہ رک گئے ۔ انہیں میرا حلیہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی، انہوں نے بہت ہمدردی اور محبت سے میرے اس طرح بے چینی سے اندر آنے کی وجہ پوچھی ۔ «جناب عالی» میں نے کہا «میں اپنے باپ کی جگہ آپ سے درخواست کرتا ہوں ۔ خدا کے لئے انکار نہ کیجئے گا ۔۔ میری زندگی کی تمام تر خوشیاں خطرے میں ہیں ۔»

«کیا بات ہے میرے دوست؟» متحیر بڑے میاں نے پوچھا ۔ «کہو میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟ کہو بیٹے!»

«جناب عالی، مجھے اپنے ساتھ سپاہیوں کا ایک دستہ اور چند قضاق لیجانے اور بیلوگورسک قلعے سے دشمنوں کا صفایا کر ڈالنے کی اجازت دیجئے ۔»

جنرل نے غور سے میری طرف دیکھا، شاید وہ سوچ رہے تھے کہ میں پاگل ہو گیا ہوں (اور وہ کچھ ایسی غلطی پر بھی نہیں تھے) ۔

«کیا مطلب ہے؟ بیلوگورسک قلعے سے دشمنوں کا صفایا؟» آخر انہوں نے کہا ۔

«میں کامیابی کی ضمانت دیتا ہوں» میں نے بےتابی سے کہا — «آپ مجھے جانے کی اجازت تو دیجئے —»

«نہیں، نوجوان» انہوں نے سر ہلاکر کہا — «اتنے دور دراز علاقے میں، اہم فوجی مقامات سے تمہارے وسائیل کاٹ دینا اور تم پر مکمل فتح حاصل کر لینا دشمن کے لئے کچھ مشکل نہ ہوگا — ایک دفعہ آمد ورفت کے راستے کٹ جائیں...»

مجھے ڈر تھا کہ وہ فوجی طریقۂ کار پر بحث شروع کر دیں گے اس لئے میں نے جلدی سے بات کاٹی «کپتان میرونوف کی بیٹی نے مجھے خط لکھا ہے —» میں نے کہا — «وہ مدد کی طلبگار ہے — شوابرن اسے اپنے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کر رہا ہے —»

«واقعی؟ اوہ وہ شوابرن بہت واقعی بہت بدمعاش ہے! میرے ہاتھ لگ جائے تو میں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس کا کورٹ مارشل کرا دوں اور اسے قلعے کی دیوار کے قریب کھڑا کرکے گولی سے اڑا دوں! مگر فی الحال ہمیں صبر سے کام لینا چاہئے!»

«صبر!» میں نے آپے سے باہر ہو کر کہا — «تب تک تو وہ ماریا ایوانوونا سے شادی کر لے گا!»

«اوہو» جنرل نے کہا — «اس میں ایسی کیا برائی ہے — اس کے لئے فی الحال شوابرن کی بیوی بن جانا ہی بہتر ہے، وہ اس کی دیکھ بھال کرے گا — اور جب ہم اسے مار دیں گے تو اس وقت خدا نے چاہا تو اسے کوئی نہ کوئی دولہا مل ہی جائے گا — خوبصورت بیوائیں زیادہ دن کنواری نہیں رہتیں، یا یوں کہہ لو کہ کم عمر بیوہ کو کنواری لڑکیوں سے زیادہ جلدی بر مل جاتا ہے —»

«اس کو شوابرن کے رحم وکرم پر چھوڑنے سے تو کہیں بہتر ہے کہ میں کہیں ڈوب مروں» میں غصے میں چیخا —

«آہا!» بوڑھے شخص نے کہا — «اب سمجھا میں! معلوم ہوتا ہے تمہیں ماریا ایوانوونا سے محبت ہے — اب تو بات کا رنگ ہی بدل گیا — بچارا لڑکا! بہرحال میں کسی حالت میں بھی تمہیں ایک دستہ اور قضاق تو دے نہیں سکتا — اس قسم کی مہم بالکل حماقت ہوگی — میں اس کی ذمہ‌داری نہیں لے سکتا —»

میں نے ناامید ہوکر سر جھکا لیا — یکایک میرے دماغ میں بجلی کی طرح ایک خیال کوند گیا — بقول پرانے زمانے کے ناول نگار کے آپ اگلے باب میں پڑھیں گے کہ یہ خیال کیا تھا —

گیارھواں باب

باغیوں کا گاؤں

شیر ببر نے ابھی کھانا ختم ہی کیا
تھا حالانکہ وہ مہیب و خوفناک ہے
لیکن اس نے نرمی سے پوچھا:
«میرے غار تک آنے سے تمہارا کیا
مقصد ہے؟» (۱۷)

سومارو کوف

میں جنرل کو چھوڑ کر تیزی سے اپنے کمرے میں پہنچا۔ ساویلچ نے دیکھتے ہی نصیحتوں کی بارش شروع کر دی «ان شرابی ڈاکوؤں سے لڑتے لڑتے تم نجانے کہاں کہاں نکل جاتے ہو! کیا ایک شریف آدمی کے لئے اسکے سوا کوئی کام ہی نہیں رہ گیا ہے۔ اگر کل کلاں کو کچھ ہوگیا تو تم بےوجہ ختم ہو جاؤگے۔ اگر وہ سویڈن یا ترکی کے رہنے والے ہوتے جب بھی بات تھی۔ مگر ان بدذاتوں کا تو ذکر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے جن سے تم لڑ رہے ہو!»

اس کی بات کاٹتے ہوئے میں نے پوچھا کہ ہمارے پاس سب ملاکر کل کتنے روپے ہیں۔ «روپیہ تو ہمارے پاس ہے۔» انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ «بدمعاشوں نے ہمارا سامان

ضرور ضبط کر لیا مگر کچھ روپیہ تو میں نے ان کے پنجے سے چھپا ہی لیا۔» یہ کہتے کہتے اس نے جیب سے ایک لمبا سا بنا ہوا بٹوا نکالا جس میں چاندی کے سکے بھرے ہوئے تھے۔

«لو ساویلچ» میں نے کہا۔ «اس میں سے آدھا مجھے دے دو اور باقی تم اپنے لئے رکھ لو۔ میں بیلوگورسک قلعے میں جا رہا ہوں۔»

«پیوتر اندریےیچ۔ مالک!» میرے نیک‌دل اتالیق نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ «خدا کے لئے! تم ایسے میں کہاں جا سکتے ہو۔ تمام سڑکیں باغیوں کے جتھوں سے بھری ہوئی ہیں؟ اگر تمہیں اپنا خیال نہیں تو کم از کم اپنے ماں باپ پر ہی رحم کرو! آخر تمہیں جانے کی ایسی مصیبت ہی کیا ہے؟ کس لئے؟ کچھ دن انتظار کرو۔ فوجیں آئیں گی اور بدمعاشوں کو پکڑ لیں گی، پھر جہاں دل چاہے جانا۔»

میرا فیصلہ اٹل تھا۔ «اب بحث بیکار ہے» میں نے بڑے میاں سے کہا۔ «مجھے جانا چاہئے، اور میں جاؤں گا۔ رنجیدہ نہ ہو ساویلچ۔ خدا کا فضل رہا تو ہم پھر ملیں گے۔ دیکھو ضرورت کے وقت شرمانا نہیں، حد سے زیادہ کفایت شعاری کی ضرورت نہیں۔ تمہیں جس کسی چیز کی ضرورت ہو خرید لینا چاہئے کتنی ہی مہنگی ہو۔ اس روپے کو میرا تحفہ سمجھو۔ اگر میں تین دن میں واپس نہ آ جاؤں...»

«آپ کیا کہہ رہے ہیں، جناب؟» ساویلچ میری بات کاٹ کر چیخ اٹھا۔ «گویا میں تمہیں تنہا جانے ہی دوں گا! اسکا تو خواب

بھی نہ دیکھو کہ میں تمہیں اجازت دے دوں گا! جب تم نے جانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو میں بھی ساتھ جاؤں گا ۔ اگر ضرورت پڑی تو پیدل جاؤں گا۔ مگر میں تمہیں چھوڑنے والا نہیں ہوں ۔ تم سمجھتے ہو میں تمہارے بغیر آرام اور سکون سے پتھر کی ان فصیلوں کے سائے میں بیٹھوں گا؟ میرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے! مالک تم جو کہو مگر میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا ۔»

میں جانتا تھا کہ ساویلچ سے بحث کرنا فضول ہے چنانچہ میں نے اسے سفر کی تیاری کرنے کی اجازت دے دی ۔ آدھہ گھنٹے بعد میں اپنے بڑھیا گھوڑے پر بیٹھا تھا ۔ ساویلچ اپنے سوکھے مارے لنگڑے ٹٹو پر ساتھ ساتھ تھا، یہ ٹٹو اسکو کسی شہری نے تحفتاً دیا تھا کیونکہ اس کے پاس گھوڑے کو کھلانے پلانے کو کچھہ نہیں تھا ۔ ہم شہر کے پھاٹک پر پہنچے، سنتریوں نے ہمیں آگے بڑھنے دیا اور اورن‌برگ پیچھے رہ گیا ۔

شام کا دھندلکا پھیل رہا تھا ۔ میرا راستہ برداگاؤں سے ہوکر جاتا تھا جہاں اب پوگاچیوف کا قبضہ تھا ۔ سڑک برف کے تودوں سے ڈھکی ہوئی تھی مگر صحرا میں ادھر سے ادھر تک گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشان نظر آ رہے تھے جو روز نئے سرے سے بنتے رہتے تھے ۔ میرا گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا ۔ میں ساویلچ کی نظروں سے اوجھل ہوا جا رہا تھا، وہ برابر چیخ رہا تھا «ذرا آہستہ جناب، خدا کے لئے! ذرا آہستہ! میرا لعنتی گھوڑا تمہارے لمبٹنگو شیطان کا ساتھہ نہیں دے سکتا!

تمہیں اتنی جلدی کیا ہے؟ کوئی دیکھے تو یہی سمجھے کہ ہم کسی دعوت میں جا رہے ہیں، حالانکہ جا رہے ہیں ہم پھانسی کے تختے پر لٹکنے — دیکھہ لینا یہی ہوگا! پیوتر اندرے‌یچ مالک — رحم کرو! اے خدا، میرے مالک کا بچہ برباد ہو جائے گا!»

جلدی ہی بردا کی روشنیاں نظر آنے لگیں ۔ ہم ان گھاٹیوں تک پہنچ گئے جو قدرت کی طرف سے گاؤں کی حفاظت کر رہی تھیں ۔ ساویلچ مستقل میرے پیچھے پیچھے تھے، وہ برابر دردناک التجائیں کرتے رہے ۔ مجھے پوری امید تھی کہ بلا کھٹکے گاؤں پار کر لوں گا کہ یکایک اندھیرے میں مجھے ٹھیک اپنے سامنے تقریباً پانچ کسانوں کی ایک ٹولی نظر آئی ۔ وہ سب ڈنڈوں سے مسلح تھے ۔ وہ پوگاچیوف کی فوج کے اگلے دستے کے محافظ تھے ۔ انہوں نے ہمیں پکارا ۔ کیونکہ میں ان کا شناختی لفظ نہیں جانتا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ خاموشی سے گزر جاؤں ۔ لیکن انہوں نے فوراً مجھے گھیر لیا ۔ ان میں سے ایک نے میرے گھوڑے کی لگام پکڑ لی ۔ میں نے تلوار کھینچ کر اس کے سر پر دے ماری ۔ اس کی ٹوپی نے اسے بچا لیا، مگر وہ لڑ کھڑا گیا اور اس نے لگام چھوڑ دی اور سب بھی گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی اور سرپٹ دوڑا دیا ۔

رات کا بڑھتا ہوا اندھیرا مجھے ہر خطرے سے بچا لیتا، مگر میں نے مڑ کر دیکھا تو ساویلچ غائب تھا ۔ بچارے بڑھے

میاں اپنے لنگڑے گھوڑے پر باغیوں کے پنجے سے نہیں نکل سکے۔ کیا کروں کیا نہ کروں؟ چند منٹ انتظار کرنے اور یہ یقین ہو جانے کے بعد کہ وہ پکڑا گیا ہے، میں اپنا گھوڑا موڑ کر اس کی مدد کو پہنچا۔

گھاٹی کے قریب پہنچتے ہی میں نے شور سا سنا، جس میں میں نے اپنے ساویلچ کی آواز الگ سے الگ پہچان لی۔ میں نے گھوڑا اور تیز کر دیا، اور میں پھر انہیں محافظ کسانوں کے درمیان کھڑا تھا، جو چند منٹ پہلے مجھے ٹوک چکے تھے۔ ساویلچ گھرا کھڑا تھا۔ ان لوگوں نے بچارے بڑے میاں کو گھوڑے سے کھینچ لیا تھا، اور اسکو باندھنے ہی والے تھے۔ مجھے بھی موقع پر موجود پاکر وہ بےحد خوش ہوئے اور چیختے چلاتے دوڑے میری طرف۔ اور منٹ بھر میں مجھے بھی میرے گھوڑے سے کھینچ لیا۔ ان میں سے ایک نے، جو شاید ان کا سرغنہ تھا، اعلان کیا کہ وہ فوراً ہمیں زار کے پاس لے جائےگا۔ «اور ہمارا زار» اس نے زور دیا «فیصلہ کرےگا کہ ہم تمہیں فوراً پھانسی دے دیں، یا صبح ہونے کا انتظار کریں۔» میں نے بالکل حیل حجت نہیں کی۔ ساویلچ نے بھی میری دیکھا دیکھی یہی کیا۔ اور سنتری نہایت فاتحانہ انداز میں ہمیں لئے ہوئے آگے بڑھے۔

گھاٹی کے دوسرے نکڑ پر پہنچ کر ہم گاؤں میں داخل ہوئے۔ تمام جھونپڑیوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ ہر طرف شور اور ہنگامہ تھا۔ گلی آدمیوں سے بھری ہوئی تھی، لیکن

اندھیرا اتنا تھا کہ نہ کسی نے ہماری طرف دیکھا نہ یہ سمجھا کہ میں اورن برگ سے آیا ہوا ایک افسر ہوں۔ ہم سیدھے چوراہے والی جھونپڑی میں لائے گئے۔ اس کے پھاٹک کے قریب شراب کے کئی پیپے اور دو توپیں رکھی ہوئی تھیں۔ «یہی ہے محل» ایک کسان نے کہا۔ «میں اندر جاکر تمہارے آنے کی اطلاع کرتا ہوں۔» وہ جھونپڑی میں چلا گیا۔ میں نے کنکھیوں سے ساویلچ کی طرف دیکھا، بچارے بڑے میاں برابر اپنے اوپر سلیب کا نشان بنا رہے تھے اور منہ ہی منہ میں دعائیں مانگ رہے تھے۔ ہمیں کافی دیر انتظار کرنا پڑا مگر آخرکار وہ کسان واپس آ ہی گیا، اس نے مجھ سے کہا «اندر جاؤ، ہمارے زار کا حکم ہے کہ افسر کو اندر بھیجا جائے۔»

میں جھونپڑی میں یا بقول کسانوں کے محل میں پہنچا۔ جھونپڑی میں چربی سے بنی ہوئی دو بتیاں روشن تھیں۔ دیواروں پر پنی منڈھی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ عام جھونپڑیوں کی طرح تھی، یہاں بھی اسی طرح کئی بنچ اور ایک میز پڑی تھی، منہہ دھونے کے لئے لٹکی ہوئی سلاپچی، کیل پر ٹنگا ہوا تولیہ، کونے میں رکھا ہوا کرچھا، اور پتھر کی مچان پر رکھے ہوئے برتن سب ویسے ہی تھے۔ پوگاچیوف کونے میں عیسی کی تصویروں کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، اس نے لال کفتان اور اونچی سی ٹوپی پہن رکھی تھی اس کے ہاتھ کمر پر رکھے ہوئے تھے۔ اس کے قریب اس کے خاص خاص

ساتھیوں میں سے کئی ایک ساتھی کھڑے تھے جن کے چہروں سے انتہائی چاپلوسی ٹپک رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ اورن برگ سے ایک افسر کے آنے کی خبر سن کر باغیوں کو انتہائی تجسس ہو رہا تھا۔ پوگاچیوف نے فوراً مجھے پہچان لیا۔ اس کا بناوٹی سا شاہانہ انداز فوراً رفوچکر ہو گیا۔ «آہا، جناب علی!» اس نے خوش دلی سے کہا۔ «کہئے کیسے مزاج ہیں؟ یہاں کیسے آنا ہوا؟» میں نے کہا کہ میں اپنے ذاتی کام سے جا رہا تھا مگر اس کے آدمیوں نے مجھے پکڑ لیا۔ «اور وہ کام کیا ہے؟» اس نے مجھ سے پوچھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا جواب دوں۔ پوگاچیوف نے سوچا کہ شاید میں اس کے ساتھیوں کے سامنے بات کرنے سے جھجک رہا ہوں، چنانچہ وہ ان کی طرف مڑا اور انہیں باہر جانے کا حکم دیا۔ دو کے سوا سب نے تعمیل کی، وہ دونوں اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ «ان کے سامنے بےجھجک بات کرو» پوگاچیوف نے کہا «میں کوئی بات ان سے راز نہیں رکھتا۔» میں نے کنکھیوں سے نقلی زار کے جگری دوستوں کو دیکھا۔ ان میں سے ایک دبلا پتلا بوڑھا تھا جس کی کمر جھکی ہوئی تھی اور چہرے پر چھوٹی سی سفید داڑھی تھی۔ اس کے کھردرے اونی کوٹ میں لگی ہوئی نیلی پٹی کے علاوہ اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ مگر اس کے دوسرے ساتھی کو تو میں مرتے دم تک نہیں بھلا سکتا۔ وہ خوب لمبا تڑنگا تھا اور اس کے شانے بہت چوڑے تھے، تقریباً پینتالیس سال کا

ہوگا۔ اس کی گھنی لال داڑھی، چمکدار بھوری آنکھوں، بےنتھنوں کی ناک، اور پیشانی اور رخساروں کے لال نشانوں کی وجہ سے اس کے چوڑے اور چیچک زدہ چہرے سے بدمعاشی اور نحوست برس رہی تھی۔ وہ سرخ قمیص، کرغیز قبا اور قضاق وضع کی شلوار پہنے ہوئے تھا۔ پہلا شخص (جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا) ایک بھاگا ہوا کارپورل بیلوبرودوف تھا، اور دوسرا افاناسی سوکولوف (اس کا نام خلوپوشا پڑ گیا تھا)۔ یہ ایک مجرم تھا جو تین دفعہ سائبیریا کی کانوں سے بھاگ چکا تھا۔ حالانکہ میں اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا، لیکن پھر بھی اس صحبت نے مجھے کافی متاثر کیا جس میں میں اتفاق سے پہنچ گیا تھا۔ لیکن پوگاچیوف نے یہ کہکر مجھے خوابوں کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں پہنچا دیا «اورن برگ سے تم کس سلسلے میں آئے ہو؟ بولو!»

میرے ذہن میں عجیب اور انوکھا خیال آیا۔ میں نے سوچا کہ اتفاق زمانہ نے مجھے پھر پوگاچیوف کے سامنے لا ڈالا ہے، قدرت نے مجھے پھر ایک موقع دیا ہے کہ میں اپنی خواہشات پوری کر سکوں۔ اور میں نے سوچا کہ اس موقع کا فائدہ اٹھانا چاہئے، چنانچہ میں نے اس بارے میں دوبارہ سوچے بغیر ہی پوگاچیوف سے کہا:

«میں ایک یتیم کی مدد کرنے بیلوگورسک جا رہا تھا، اس پر وہاں ظلم و ستم ہو رہا ہے۔»

پوگاچیوف کی آنکھوں سے شعلے پھوٹنے لگے۔ «میرے آدمیوں میں سے کس کی ہمت ہے کہ وہ کسی یتیم پر ظلم

کرے؟» وہ چیخا — «وہ لومڑی سے زیادہ چالاک بھلے ہی ہو مگر میرے پنجے سے چھٹ کر کہاں جائےگا! بولو— کون ہے وہ بدمعاش؟»

«شوابرن» میں نے جواب دیا — «شوابرن نے اس بیمار لڑکی کو قید کر رکھا ہے جسے تم نے پادری کے گھر میں دیکھا تھا، اور اسے مجبور کر رہا ہے کہ وہ اس سے شادی کرے —»

«میں شوابرن کو ایسا سبق دوں‌گا کہ یاد رہے» پوگاچیوف نے دھمکی دی — «تب اسے پتا چلےگا کہ ہمارے حکم کے بغیر کام کرنا اور ہماری رعایا پر ظلم کرنا کیا معنی رکھتا ہے — اسے پھانسی دے دی جائےگی —»

«مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت دیجئے» خلوپوشا نے بھاری آواز میں کہا— «تمہیں شوابرن کو قلعے کا حاکم بنانے کی بھی جلدی پڑی ہوئی تھی، اور اب اسے قتل کرنے کی بھی جلدی ہے — تم پہلے ہی امرا کے طبقے کے آدمی کو ان کا حاکم بنا کے قضاقوں کی بےعزتی کر چکے ہو، اب پہلے ہی الزام پر ان میں سے ایک کو موت کے گھاٹ اتار کے امرا کے طبقے کو مت بھڑکاؤ!»

«نہیں کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان کی جان بخشی کی جائے یا انہیں بڑی بڑی ملازمتیں دی جائیں» نیلی پیٹی والے بوڑھے نے کہا — «شوابرن کو پھانسی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے — مگر اس افسر کو اچھی طرح کھٹکھٹا لینا چاہئے — آخر یہ حضرت یہاں کس مقصد سے آئے ہیں؟ اگر وہ تمہیں اپنا شہنشاہ

نہیں مانتا تو وہ تم سے انصاف کا طالب کیوں ہے؟ اور اگر مانتا ہے، تو اب تک وہ تمہارے جانی دشمنوں کے ساتھ اورن‌برگ میں کیا کرتا رہا؟ میرے خیال میں میں اسے قید خانے میں لے جاؤں اور سلاخیں تپواؤں — مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذات شریف اورن‌برگ کے افسروں کے چھوڑے ہوئے گرگے ہیں —»

یہ بدمعاش بوڑھا خاصی دل لگتی باتیں کہہ رہا تھا — اس خیال سے کہ میں کس کے ہاتھوں میں ہوں میرا خون خشک ہو گیا— پوگاچیوف میری پریشانی کو بھانپ گیا— «ہاں جناب عالی؟» اس نے آنکھ مار کر کہا — «میرے خیال میں میرا سپہ سالار ٹھیک ہی کہہ رہا ہے، تمہارا کیا خیال ہے؟»

پوگاچیوف کے طنز سے میری ہمت بڑھ گئی — میں نے نہایت سکون سے کہا کہ میں اس کے ہاتھ میں ہوں، وہ جو چاہے کر سکتا ہے —

«واللہ» پوگاچیوف نے کہا— «اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے شہر میں کیا حالت ہے؟»

«خدا کا شکر ہے سب ٹھیک ہی ہے» میں نے کہا —

«سب ٹھیک ہے؟» پوگاچیوف نے دھرایا— «اور لوگ بھوکوں مر رہے ہیں!»

نقلی‌زار ٹھیک ہی کہتا تھا — مگر میں اپنے وفاداری کے عہد پر قائم رہا اور میں اسے ہر ممکن یقین دلانے لگا کہ یہ افواہیں بالکل بےبنیاد اور جھوٹی ہیں، اورن‌برگ میں بہت سامان موجود ہے —

«دیکھا تم نے» بوڑھے شخص نے ٹانگ اڑائی — «یہ تمہارے منہ پر جھوٹ بول رہا ہے — ہر پناہ گزین کی زبان پر ہے کہ اورن برگ میں کال پڑ رہا ہے اور ہر طرف موت ناچ رہی ہے — لوگ مردے کھا رہے ہیں، وہ بھی مل جائے تو بڑی نعمت ہے — اور عالی جناب قسمیں کھا رہے ہیں کہ وہاں ہر ہر چیز کی افراط ہے — اگر تم شوابرن کو پھانسی دینا چاہتے ہو تو ان جواں مرد کو بھی ساتھہ ہی لٹکا دو، تاکہ کسی کو کسی پر رشک نہ آئے!»

پوگاچیوف پر اس نفرت خیز بوڑھے کی باتوں کا کافی اثر ہوا — مگر خوش قسمتی سے خلوپوشا نے اپنے ساتھی کی تردید شروع کر دی — «بس بس بہت ہو چکا» اس نے کہا — «تم تو چاہتے ہو کہ ہر شخص کو یا پھانسی پر لٹکا دیا جائے یا اس کا سر اڑا دیا جائے — اور تم خود بڑے سورما ہو! خود تمہارے جسم و روح کا تعلق ایسا مضبوط ہے کہ اب ٹوٹا کہ تب ٹوٹا — خود قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہو پھر بھی دوسروں کو ختم کرنے کی بات سوچتے ہو — کیا تمہارے ضمیر پر خون کے کم دھبے ہیں؟»

«اور تم خود بڑے ولی اللّٰہ ہو؟» بیلوبورودوف نے ترکی به ترکی جواب دیا — «تمہارے دل میں یکایک رحم کا سمندر کیوں موجیں مارنے لگا؟»

«میں جانتا ہوں میں بھی گنہگار ہوں» خلوپوشا نے جواب دیا — «ان ہاتھوں نے (یہ کہتے کہتے اس نے اپنے ہڈیالے ہاتھہ

کی مٹھی بھینچ لی اور اپنی آستینیں چڑھالیں — اس کا روئیں دار بازو ننگا ہو گیا) ان ہاتھوں نے نجانے کتنا عیسائی خون بہایا ہے — مگر میں نے مہمانوں کو نہیں دشمنوں کو ختم کیا ہے — دشمنوں کو، میں اپنے رقیبوں کو گلی کوچوں میں مارتا ہوں یا تاریک جنگلوں میں ختم کرتا ہوں، گھر بیٹھے لوگوں کو نہیں مارتا — میں ڈنڈوں اور کلہاڑوں سے دشمن کا کام تمام کرتا ہوں، بڑھیوں کی طرح باتیں بناکے ختم نہیں کرتا —»

بوڑھا شخص دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے بڑبڑایا «نکٹا! کہیں کا!»

«کیا بک رہے ہو تم بوڑھے چوہے؟» خلوپوشا دھاڑا — «ٹھہرو تم، تمہارا وقت بھی آئیگا، میں بتاؤں گا تمہیں، کیسا نکٹا! خدا نے چاہا تو تمہیں بھی جلتی ہوئی سلاخوں کا مزا چکھنا پڑےگا — اور ذرا چوکنے رہنا کہیں میں تمہاری داڑھی ہی نہ نوچ پھینکوں!»

«صاحبوں، جنرلوں!» پوگاچیوف نے شاہانہ انداز میں اعلان کیا — «بس جھگڑا بند کرو! اگر اورن برگ کے تمام کتے پھانسی پر لٹک جائیں تو پرواہ نہیں، مگر ہمارے کتے خود آپس میں لڑیں، اس کا کیا مطلب! چلو ادھر، صلح کرو!»

خلوپوشا اور بیلوبورودوف نے ایک لفظ کہے بغیر اداس نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا — میں نے سوچا کہ اس تلخ موزوع کو بدلنا چاہئے، ورنہ میرے حق میں بہت برا ہوگا — چنانچہ پوگاچیوف کی طرف پلٹتے ہوئے میں نے نہایت شگفتگی

سے کہا — «ارے، میں تو گھوڑے اور بھیڑ کی کھال کے کوٹ
کے لئے تمہارا شکریہ ادا کرنا بھول ھی گیا تھا — اگر تم نہ
ہوتے تو میں کبھی شہر نہ پہنچ سکتا، راستے ھی میں کہیں
برف میں دب کر مر جاتا —»

میری چال کام کر گئی — پوگاچیوف خوش ہو گیا — «ایک
بھلائی کے بعد دوسری بھلائی بھی ضروری ھے!» اس نے آنکھ
ماری اور پتلیاں مٹکاتے ہوئے کہا «ہاں یہ بتاؤ کہ وہ لڑکی
تمہاری کون ھے، جس پر شوابرن نے ظلم کیا ھے؟ کہیں وہ
تمہاری محبوبہ تو نہیں ھے؟ ہیں؟»

«وہ میری منگیتر ھے —» میں نے دیکھا کہ فضا خوشگوار
ہو گئی ھے اور حقیقت کو چھپانے کی ضرورت نہیں ھے —

«تمہاری منگیتر!» پوگاچیوف چیخ پڑا — «تم نے پہلے ھی
کیوں نہیں بتایا؟ ہم تمہاری شادی کرائیں گے اور شادی کا جشن
منائیں گے!» پھر بیلوبورودوف کی طرف مڑتے ہوئے اس نے کہا
«سپہ‌سالار سنو! بات یہ ھے کہ جناب عالی اور میں پرانے دوست
ہیں — آؤ اب کھانا کھا لیں — عقل اور سمجھ دن میں آتی ھے،
کل ہم سوچیں گے کہ اس سے کیا سلوک کریں —»

میں بہت خوشی سے اس اعزاز سے انکار کر دیتا، لیکن
اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا — مالک مکان کی بیٹیوں، دو
نوجوان قضاق لڑکیوں نے میز پر سفید چادر بچھائی، اور
روٹی، مچھلی، شوربہ اور بیر اور ووڈکا کی کئی بوتلیں لاکر

رکھیں — میں پھر پوگاچیوف اور اس کے خوفناک ساتھیوں کے
ساتھ کھانا کھا رہا تھا!

یہ رنگ رلیاں، جن کا تماشائی میں غیرارادی طور پر بن
گیا تھا، بڑی رات گئے تک جاری رہیں — آخرکار میرے
ساتھی شراب کے نشے میں دھت ہو گئے — پوگاچیوف اپنی کرسی
پر بیٹھے بیٹھے اونگھ گیا — اس کے ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے
اور انہوں نے مجھے بھی اشارہ کیا کہ اس کے پاس سے چلا
آؤں — میں ان کے ساتھ ساتھ جھونپڑی سے نکل آیا — خلوپوشا
کے حکم پر سنتری مجھے قیدخانہ میں لے گئے، ساویلچ بھی
وہاں موجود تھے — انہوں نے رات بھر کے لئے ہمیں وہیں
بند کر دیا — ان واقعات کو دیکھ کر میرا اتالیق اس قدر
بھونچکا ہو گیا تھا کہ اس نے مجھ سے کچھ پوچھا تک نہیں —
اندھیرے میں پڑے پڑے وہ بہت دیر تک کراھتا کولتا رہا —
آخرکار وہ خراٹے لینے لگا، اور میں خیالات کے سمندر میں
ڈوب گیا اور رات بھر نہ سو سکا —

اگلے دن صبح سویرے پوگاچیوف نے مجھے طلب کیا —
میں اس کی جھونپڑی میں پہنچا، پھاٹک پر ایک گاڑی کھڑی
تھی جس میں تین تین تاتاری گھوڑے جتے ہوئے تھے — گلی
میں لوگوں کا ھجوم تھا — پوگاچیوف مجھے برساتی میں ملا —
وہ سفری لباس یعنی سمور کے کوٹ اور کرغیز ٹوپی میں ملبوس
تھا — گذشتہ رات کے ساتھی اس کو گھیرے کھڑے تھے، ان
کے انداز سے خوشامد ٹپک رہی تھی، یہ انداز اس سے کتنا

مختلف تھا جو میں کل رات دیکھ چکا تھا ۔ پوگاچیوف نے مسکرا کر میرا خیر مقدم کیا اور مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا لیا ۔

ہم دونوں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے ۔ «بیلوگورسک قلعے چلو!» پوگاچیوف نے چوڑے شانوں والے تاتار سے کہا، جو ان تین گھوڑوں کو ہانکنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا ۔ گھوڑے چل پڑے، گھنٹیاں بج اٹھیں اور گاڑی برف پر دوڑنے لگی ۔

«ٹھیرو! ٹھیرو!» ایک آواز آئی، میں اس آواز سے کتنی اچھی طرح واقف تھا ۔ میں نے دیکھا کہ ساویلچ ہماری طرف دوڑ رہا ہے ۔ پوگاچیوف نے گاڑی ٹھیرانے کا حکم دیا ۔ «پیوتر اندریےیچ، مالک!» ساویلچ چلایا ۔ «مجھے اس بڑھاپے میں تنہا نہ چھوڑو، ان بدمعاشوں...» «آہا، بڈھے تم!» پوگاچیوف نے کہا ۔ «خدا کی مہربانی سے ہم پھر مل گئے، اچھا چلو کوچوان کے ساتھ بیٹھ جاؤ ۔»

«شکریہ عالی جاہ، شکریہ، میرے محافظ شکریہ!» ساویلچ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے چلایا ۔ «خدا تمہیں ایک بوڑھے پر رحم کرنے کے بدلے سو سال کی زندگی دے! میں مرتے دم تک تمہارے لئے دعا کروں گا، میں اب کبھی خرگوش کی کھال کے کوٹ کا نام بھی نہیں لوں گا ۔»

ہو سکتا تھا کہ خرگوش کی کھال کے کوٹ کا ذکر سن کر پوگاچیوف کو غصہ آ جائے مگر خوش قسمتی سے یا تو اس نے ساویلچ کی بات سنی ہی نہیں یا اس نے اس بےوقت کی

راگنی کو سنی ان سنی کر دیا ۔ گھوڑے ہوا ہو گئے، سڑکوں پر لوگ رک رک کر تعظیماً جھک رہے تھے، پوگاچیوف دائیں بائیں سلام کا جواب دے رہا تھا ۔ ایک لمحے میں ہم گاؤں سے نکل گئے اور صاف ستھری سڑک پر گاڑی اور تیز ہو گئی ۔

ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ اس وقت میرے جذبات کیا ہوں گے ۔ چند گھنٹے بعد میں اس کو دیکھوں گا، جو میرے خیال میں ہمیشہ کے لئے مجھ سے بچھڑ چکی تھی ۔ میں وصل کی گھڑی کے بارے میں سوچ رہا تھا... میں نے اس شخص کے بارے میں بھی سوچا جس کے ہاتھ میں میری قسمت کی باگ ڈور تھی، اور حالات کے انوکھے الٹ پھیر کی وجہ سے جس سے میرا عجیب پر اسرار سا تعلق ہو گیا تھا ۔ مجھے اس شخص کی خون خواری اور بےرحمی یاد آ گئی، جو میری محبوبہ کو بچانے کے لئے تیار تھا ۔ پوگاچیوف نہیں جانتا کہ وہ کپتان میرونوف کی بیٹی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ شوابرن جھنجھلاہٹ میں سب کچھ کہہ دے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پوگاچیوف کو کسی اور ذریعے سے سب کچھ معلوم ہو جائے ۔ پھر ماریا ایوانوونا کا کیا حشر ہوگا؟ میرے جسم میں سنسنی دوڑ گئی اور خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔

یکایک پوگاچیوف میری طرف پلٹا، میرے خیالات کا تار ٹوٹ گیا، اس نے کہا:

«جناب عالی، کیا سوچ رہے ہیں آپ؟»

«مجھے بہت کچھ سوچنا ہے» میں نے کہا۔ «میں شریف آدمی ہوں اور فوجی افسر ہوں۔ کل تک میں تمہارے خلاف لڑ رہا تھا۔ اور آج میں تمہاری گاڑی میں تمہارے پاس بیٹھا ہوں، اور میری زندگی کی تمام خوشیاں تمہارے ہاتھہ میں ہیں۔»

«پھر؟» پوگاچیوف نے کہا۔ «کیا تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟»

میں نے جواب دیا کہ کیونکہ ایک مرتبہ وہ مجھے بخش چکا ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ وہ نہ صرف میری حالت پر رحم کرے گا بلکہ میری مدد بھی کرے گا۔

«تم ٹھیک سمجھے، باخدا تم ٹھیک سمجھے! نقلی زار نے کہا۔ «تم نے دیکھا میرے ساتھی تمہیں کس نظر سے دیکھہ رہے تھے، آج صبح ہی بوڑھے شخص نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ تم جاسوس ہو، تمہیں انتہائی ایذائیں پہنچانی چاہئیں اور پھانسی دے دینی چاہئے۔ لیکن میں کسی طرح تیار نہیں ہوا۔» اس نے آواز نیچی کر لی تاکہ ساویلچ اور تاتار نہ سن سکیں۔ «مجھے تمہارا ووڈکا کا جام اور خرگوش کی کھال کا کوٹ یاد ہے۔ دیکھا تم نے میں اتنا خونخوار درندہ نہیں ہوں، جتنا تمہارے ساتھی کہتے ہیں۔»

مجھے بیلوگورسک قلعے کی لڑائی یاد آگئی، مگر میں نے اس کی بات کی تردید کرنی مناسب نہیں سمجھی، اور جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

«اورن برگ میں لوگ میرے متعلق کیا کہتے ہیں؟» پوگاچیوف نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

«لوگ کہتے ہیں کہ تم بہت ٹیڑھی کھیر ہو۔ ظاہر ہے تم نے لوگوں کو اپنے وجود کا اچھی طرح احساس دلا دیا ہے۔»

نقلی زار کے چہرے سے اطمینان اور خود پرستی جھلک رہی تھی۔ «ہاں» اس نے خوش ہو کر کہا «میں خوب جانتا ہوں، کیسے لڑنا چاہئے، کیا اورن برگ کے لوگ یوزے یوا کی لڑائی کے بارے میں کچھہ جانتے ہیں؟ چالیس جنرل مار دئے گئے اور چار فوجیں قید ہو گئیں۔ کہو کیا کہتے ہو؟ کیا پروشیا کا بادشاہ میرے مقابلے پر آ سکتا تھا؟»

اس بدمعاش کی شیخی پر مجھے بہت ہنسی آئی۔ «تم خود کیا کہتے ہو؟» میں نے پوچھا۔ «کیا تم فریڈرک کو ہرا سکتے تھے؟»

«فیودور فیودوروووچ؟ (۱۸) کیوں نہیں؟ میں نے تو تمہارے جنرلوں کو مار بھگایا اور یہی جنرل اسے ہراتے تھے۔ اب تک تو قسمت نے میری فوجوں کا ساتھہ دیا ہے۔ ابھی ٹھیرو! جب میں ماسکو پہنچ جاؤں گا جب دیکھنا!»

«کیا تم ماسکو تک پہنچنے کا ارادہ کر رہے ہو؟»

نقلی زار سوچ میں پڑ گیا۔ اور منہہ ہی منہہ میں بڑبڑایا «خدا جانے! میں خود پابند ہوں، مجھے زیادہ آزادی چاہئے۔ میرے ساتھیوں کے دماغ میں نئی نئی باتیں آ رہی ہیں۔ وہ سب چور اچکّے ہیں۔ مجھے ہر وقت سوچ سمجھہ کر قدم رکھنا ہوتا ہے، اگر ایک دفعہ بھی ہار ہو گئی تو وہ میرے سر کا نذرانہ دے کر دشمن کی خوشنودی حاصل کرلیں گے۔»

«یه بات هوئی!» میں نے کہا۔ «کیا یه بہتر نہیں ھے که تم برا وقت پڑنے سے پہلے خود ھی انہیں چھوڑ دو، اور خود کو ملکه کے پاؤں پر ڈال دو؟»

پوگاچیوف تلخی سے ھنسا۔ «نہیں» اس نے کہا «اب پچتانے کا موقع نکل چکا۔ میرے اوپر ھرگز رحم نہیں کیا جائےگا۔ میں تو اب اسی راستے پر چلوں گا۔ کون جانے؟ ھو سکتا ھے جیت میری ھی ھو! آخرکار گریشکا اوترےپیف نے بھی تو ماسکو پر راج کیا تھا۔»

«اور اس کا انجام جانتے ھو کیا ھوا؟ اسے کھڑکی سے باھر پھینک دیا گیا، اسے قتل کرکے جلا دیا گیا، اور اس کی راکھه توپ میں رکھه کر ھوا میں اڑا دی گئی۔»

«سنو» پوگاچیوف نے وحشیانه جوش کے ساتھه کہا۔ «میں تمہیں ایک کہانی سناوں گا۔ یه کہانی میرے بچپن میں ایک کالمک عورت نے مجھے سنائی تھی۔ ایک دفعه کسی عقاب نے ایک کوے سے پوچھا ’اے کوے بتاؤ تم دنیا میں زندگی کی تین سو بہاریں اور میں صرف تینتیس بہاریں کیوں دیکھتا ھوں۔‘ ’کیونکه مالک،‘ کوے نے جواب دیا ’کیونکه تم زنده جانوروں کا خون پیتے ھو اور میں صرف مردے کھا کر گزارا کرتا ھوں۔‘ عقاب نے اپنے دل میں سوچا ’میں بھی وھی چیزیں کھانے کی کوشش کروں گا جو یه کھاتا ھے۔‘ ٹھیک۔ عقاب اور کوا ساتھه ساتھه اڑ گئے۔ انہیں ایک مرده گھوڑا نظر آیا، فوراً دونوں نیچے اترے، اور اس پر ٹوٹ پڑے۔ کوے نے بوٹیاں توڑیں اور ان کی تعریفوں کے پل باندھه دئیے۔ عقاب نے ایک ٹکڑا چکھا، دوسرا چکھا اور اپنے پر پھڑ پھڑا کر کوے سے کہنے لگا ’نہیں بھائی کوے تین سو سال زنده رھنے اور مرده گوشت کھانے سے تو زنده جانور کے خون کا فقط ایک جام پینا اور خدا پر بھروسه کرنا اچھا۔‘ کہو کالمک کہانی پسند آئی؟»

«بہت تیز!» میں نے کہا «مگر لوٹ مار اور قتل خون پر زنده رھنا تو ایسا ھی ھے جیسا مرده گوشت کھانا۔»

پوگاچیوف نے حیران ھو کر میری طرف دیکھا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ ھم دونوں خاموش ھو گئے، دونوں اپنے اپنے خیال میں کھوئے ھوئے تھے۔ تاتار نے ایک افسرده گیت چھیڑ دیا، ساویلچ اونگھه گئے، اور نیند میں کوچ بکس پر جھولنے لگے۔ گاڑی جاڑے کی ھموار سڑک پر جا رھی تھی... اور یکایک مجھے یائیک کے ڈھلوان کنارے پر گاؤں نظر آیا، گاؤں کی باڑ نظر آئی اور گرجا کا گھنٹه گھر نظر آیا، اور پندره منٹ میں ھم بیلوگورسک قلعے میں داخل ھو گئے۔

بارھواں باب

ھمارے سیب کے درخت میں
نہ سرسبز شاخیں ھیں نہ پھولوں کا تاج،
ھماری ننھی منھی دلہن کے سر پر
نہ ماں ھے نہ باپ ۔
کون ھے جو اسے سجائے بنائے،
کون ھے جو اسے دعائیں دے گلے لگائے ۔

شادی کا گیت

گاڑی کپتان کے گھر کی برساتی میں پہنچ گئی ۔ لوگ پوگاچیوف کی گاڑی کی گھنٹیوں کو پہچان کر ھمارے پیچھے بھاگے ۔ شوابرن نقلی زار کے استقبال کے لئے برساتی میں موجود تھا ۔ وہ قضاق لباس میں تھا اور اس کی داڑھی بڑھی ھوئی تھی ۔ غدار نے پوگاچیوف کو سہارا دے کر گاڑی سے اتارا ۔ وہ اپنی خوشی اور وفاداری ظاھر کرنے کے لئے انتہائی خوشامدی چہرہ بنائے ھوئے تھا ۔ وہ مجھے دیکھتے ھی کچھ گھبرا سا گیا، مگر جلدی ھی اس نے اپنے اوپر قابو پا لیا اور ھاتھ بڑھاکر کہنے لگا «تو تم بھی ھمارے ساتھ ھو! واہ

کیا شاندار بات ھے!» میں نے ایک لفظ کہے بغیر منہ پھیر لیا ۔

میں اس جانے پہچانے کمرے میں پہنچا جہاں مرحوم کپتان کی سند ابھی تک دیوار پر لٹکی ھوئی تھی جیسے گزرے دنوں کی قبر پر کوئی افسردہ کتبہ رکھا ھو ۔ میرا دل بھر آیا ۔ پوگاچیوف اس صوفے پر بیٹھ گیا جہاں ایوان کوزمیچ اپنی بیوی کی بڑبڑاھٹ کی لوری سنتے سنتے اونگھ جایا کرتے تھے ۔ شوابرن نے خود پوگاچیوف کو ووڈکا پیش کیا ۔ اس نے ایک جام پیا اور میری طرف اشارہ کرکے شوابرن سے کہا «جناب عالی کو بھی پیش کرو ۔» شوابرن کشتی لئے ھوئے میری طرف آیا مگر میں نے پھر منہ پھیر لیا ۔ وہ کچھ پریشان سا نظر آ رھا تھا ۔ ظاھر ھے اپنی فطری تیزی کی وجہ سے اسے اندازہ ھو گیا تھا کہ پوگاچیوف اس سے خفا ھے ۔ اس کی خوشامد کرتے ھوئے اس نے کئی دفعہ مشتبہ نظروں سے میری طرف دیکھا ۔ پوگاچیوف قلعہ کی حالت کے بارے میں، دشمن کی فوجوں کے متعلق افواھوں کے بارے میں اور اسی قسم کی دوسری باتوں کے بارے میں پوچھتا رھا ۔ اور پھر یکایک اس سے پوچھا «بھائی یہ بتاؤ کہ یہ لڑکی کون ھے جسے تم نے قید کر رکھا ھے؟ ذرا مجھے دکھاؤ ۔»

شوابرن کا رنگ فق ھوگیا ۔ «وہ قید نہیں ھے جناب» اس نے ھکلاتے ھوئے کہا «وہ بیمار ھے، اور اپنے کمرے میں ھے...»

«مجھے اس کے پاس لے چلو» پوگاچیوف نے اٹھتے ہوئے کہا ۔ شوابرن حکم عدولی نہیں کر سکا، اور اسے اس کمرے تک لے گیا ۔ میں ان کے پیچھے پیچھے تھا ۔

زینے پر شوابرن رک گیا ۔ «جناب آپ مجھے جو حکم چاہیں دے سکتے ہیں» اس نے کہا «لیکن کسی غیر آدمی کو میری بیوی کے کمرے میں نہ گھسنے دیجئے ۔»

میں غصہ سے کانپ اٹھا ۔ «کیا، تمہاری شادی ہو گئی؟» میں نے اس سے پوچھا ۔ میں اس کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالنا چاہتا تھا ۔

«خاموش!» پوگاچیوف نے ڈانٹا ۔ «یہ میرا معاملہ ہے ۔ اور تم» اس نے شوابرن کی طرف مڑتے ہوئے کہا «خبردار، زیادہ چالاکی کرنے اور بہانے تراشنے کی کوشش نہ کرو ۔ چاہے وہ تمہاری بیوی ہو چاہے نہ ہو، میں جسے چاہوں گا اس کے پاس لے جاؤں گا ۔ جناب عالی میرے ساتھ آؤ!»

کمرے کے دروازے پر پہنچ کر شوابرن پھر رکا اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا «میں پھر کہہ رہا ہوں جناب، اسے شدید بخار ہے، اور تین دن سے وہ ہزیانی کیفیت میں پڑی ہے ۔»

«دروازہ کھولو» پوگاچیوف نے کہا ۔

شوابرن نے اپنی جیبیں ٹٹولنی شروع کیں اور کہا کہ وہ کنجیاں نہیں لایا ۔ پوگاچیوف نے دروازے کو ٹھوکر لگائی، قفل ٹوٹ گیا اور دروازہ کھل گیا ۔ ہم اندر داخل ہوئے ۔

میں نے ایک نظر دیکھا، اور میرا خون خشک ہو گیا ۔ ماریا ایوانوونا کسان عورتوں کا پھٹا پرانا لباس پہنے ہوئے، زمین پر بیٹھی تھی، اس کے بال پریشان تھے اور رنگ زرد، وہ سوکھ کر کانٹا ہوگئی تھی ۔ اس کے قریب پانی کا جگ رکھا ہوا تھا جس پر روٹی کا ایک ٹکڑا ڈھکا ہوا تھا ۔ مجھے دیکھ کر وہ چونک گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔ میں اتنا حیران تھا کہ مجھے اپنے تن بدن کا ہوش بھی نہیں رہا ۔

پوگاچیوف نے شوابرن کی طرف دیکھا، اور تلخ ہنسی کے ساتھ کہا «خوب اسپتال ہے!» اور پھر ماریا ایوانوونا کے قریب جاکر اس نے کہا «بیٹی تمہارا شوہر تمہیں کس بات کی سزا دے رہا ہے؟ تم نے اس کے ساتھ کیا برائی کی؟»

«شوہر!» اس نے دوہرایا ۔ «نہیں نہیں، وہ ہرگز میرا شوہر نہیں ہے، میں اس کی بیوی نہیں بن سکتی ۔ میں نے سوچ لیا ہے کہ اس کی بیوی بننے سے پہلے ہی میں مر جاؤں گی، اور اگر مجھے کسی نے نہ بچایا تو مر ہی جاؤں گی!»

پوگاچیوف نے قہر آلود نظروں سے شوابرن کو دیکھا ۔ «تم نے مجھے دھوکا دینے کی جرأت کی!» اس نے کہا ۔ «جانتے ہو بدذات تمہاری کیا سزا ہے؟»

شوابرن اس کے پاؤں پر گر پڑا... اور تب غصے اور نفرت کے بجائے مجھے انتہائی کراہیت محسوس ہوئی ۔ میں نے نفرت سے شریف خاندان کے اس فرد کو دیکھا، جو بھاگے ہوئے مجرم قضاق کے قدموں میں لوٹ رہا تھا ۔ پوگاچیوف نرم پڑگیا ۔

«اس دفعه تو میں نے تمہیں معاف کر دیا» اس نے شوابرن سے کہا — «لیکن اب اگر تم نے کبھی بدتمیزی کی تو تمہاری یه غلطی بھی تمہارے خلاف یاد رکھی جائےگی —» پھر وه ماریا ایوانوونا کی طرف مڑا اور اس نے نرمی سے کہا — «آؤ باهر نکلو، میری حسین دوشیزه، میں تمہیں آزاد کرتا هوں — میں زار هوں —»

ماریا ایوانوونا نے اس پر ایک تیز نظر ڈالی اور وه سمجھه گئی که اس کے ماں باپ کا قاتل اس کے پاس کھڑا هے — اس نے اپنے هاتھوں میں منه چھپا لیا اور بے هوش هوکر گر پڑی — میں اس کی طرف دوڑا، مگر اسی لمحے میری پرانی دوست پالاشا بے جھجک کمرے میں گھسی اور اس نے اپنی مالکن کو سنبھال لیا — پوگاچیوف باهر چلا گیا، میں اور شوابرن اس کے ساتھه ساتھه بیٹھک میں پہنچے —

«اچھا جناب عالی» پوگاچیوف نے هنستے هوئے کہا — «هم نے حسین دوشیزه کو آزاد کرا دیا — کیا خیال هے، پادری کو بلوائیں، اور ان سے کہیں که اپنی بھانجی کی شادی کی رسم ادا کریں؟ میں سرپرست بنوں‌گا اور شوابرن گواه —»

میں جس بات سے ڈرتا تھا وهی هوا — پوگاچیوف کی تجویز سن کر شوابرن آپے سے باهر هو گیا — «جناب!» وه پاگلوں کی طرح چلایا — «بے شک میں قابل الزام هوں — میں نے آپ سے جھوٹ بات کہی، مگر گرنیوف بھی آپ کو دھوکا دے رها هے — یه لڑکی پادری کی بھانجی نہیں هے، یه اسی ایوان

میرونوف کی بیٹی هے جسے قلعه فتح هونے کے وقت پھانسی دی گئی تھی!»

پوگاچیوف کی نظریں میرے چہرے پر گڑ گئیں — اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رهے تھے — «یه سب کیا هے؟» اس نے حیران هوکر مجھه سے پوچھا —

«شوابرن جو کچھه کہه رها هے وه صحیح هے» میں نے استقلال کے ساتھه جواب دیا —

«تم نے مجھے پہلے کبھی نہیں بتایا» پوگاچیف نے کہا — اس کا چہره سیاه پڑ گیا —

«تم خود سوچو» میں نے کہا — «اگر میں تمہارے آدمیوں کے سامنے تمہیں بتاتا که میرونوف کی بیٹی زنده هے، تو وه اسے جیتا نه چھوڑتے — دنیا کی کوئی طاقت اسے بچا نه سکتی!»

«یه تو ٹھیک هے» پوگاچیوف نے هنستے هوئے کہا — «میرے شرابی غریب لڑکی کو هرگز نه چھوڑتے — اس کی دوست، پادری کی بیوی نے اچھا هی کیا که انہیں دھوکه دے دیا —»

«سنو!» میں نے دیکھا که وه مہربان هو رها هے — «میں نہیں جانتا که تمہیں کیا کہوں اور نه میں جاننا چاهتا هوں — مگر خدا جانتا هے که تم نے میرے ساتھه ایسا سلوک کیا هے که میں اپنی جان سے اس کی قیمت ادا کرنے کو بخوشی تیار هوں — مگر مجھه سے ایسا مطالبه نه کرو جو میرے وقار اور ایک عیسائی کی حیثیت سے میرے ضمیر کے خلاف هو — تم

میرے محسن ہو — تم نے جو کھیل شروع کیا ہے اسے آخر تک
کھیلو — مجھے اور غریب یتیم کو جہاں ہمارا خدا لیجائے، جانے
دو — تم جہاں بھی رہو، اور تمہارا جو حشر بھی ہو، ہم دونوں
زندگی بھر ہر سانس کے ساتھ تمہاری گنہگار روح کی نجات
کے لئے دعا کریں گے...»

پوگاچیوف کا پتھر دل بھی پگھل گیا — «تم جو چاہو وہ
کرو!» اس نے کہا — «جب میں پھانسی دیتا ہوں تو ڈٹ کر
دیتا ہوں، اور جب معاف کرتا ہوں تو پوری طرح کرتا ہوں —
میرا یہی اصول ہے — اپنی حسین دوشیزہ کو لے جاؤ، جہاں
چاہو لے جاؤ — خدا تم دونوں کو محبت اور عقل و فراست دے!»

یہ کہکر وہ شوابرن کی طرف مڑا اور اسے حکم دیا کہ وہ
مجھے ان تمام قلعوں اور شہروں کے لئے اجازت کا پروانہ دے
جو اس کے قبضے میں تھے — شوابرن ایسا بے حس و حرکت
کھڑا تھا جیسے اس پر بجلی گر پڑی ہو — پوگاچیوف قلعے کا
معائنہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا — شوابرن اس کے ہمراہ تھا —
میں سفر کی تیاری کرنے کے بہانے وہیں ٹھیر گیا —

میں کمرے کی طرف بھاگا — دروازہ مقفل تھا — میں نے
دستک دی — «کون ہے؟» پالاشا نے پوچھا — میں نے کہا کہ
میں ہوں — کواڑوں کے پیچھے سے ماریا ایوانوونا کی شیریں
آواز آئی «ایک پل ٹھیرو، پیوتر اندریےیچ، میں لباس تبدیل
کر رہی ہوں — اکولینا پمفی‌لوونا کے ہاں جاؤ — میں بھی منٹ
بھر میں پہنچ جاؤں گی —»

میں نے حکم کی تعمیل کی اور فادر گراسیم کے گھر
پہنچا — وہ اور ان کی بیوی دوڑتے ہوئے مجھ سے ملنے کے
لئے آئے — ساویلچ نے پہلے ہی انہیں میری آمد کی اطلاع کر
دی تھی — «جیتے رہو پیوتر اندریےیچ» پادری کی بیوی نے
کہا — «خدا نے ہمیں پھر ملا دیا! تم کیسے رہے؟ یہاں تو روزانہ
تمہارا ذکر رہتا تھا — ماریا ایوانوونا پر تمہاری غیرموجودگی
میں بہت مصیبتیں پڑیں — بچاری بچی! مگر بیٹے، یہ تو بتاؤ کہ
تم نے پوگاچیوف کو کیسے رام کر لیا — کیا بات ہے، اس نے
تمہیں کیوں نہیں دی پھانسی؟ خیر اس کے لئے تو ہم اس
بدمعاش کے شکر گزار ہیں!» «بس بس بہت ہو گیا بڑی بی»
فادر گراسیم نے انہیں روکا — «کوئی ضروری نہیں ہے کہ تم
جو کچھ جانتی ہو سب فوراً اگل دو — زبان کی قینچی سے
آج تک تو کسی کو کوئی فائدہ پہنچا نہیں — پیوتر اندریےیچ
آؤ اندر آؤ! آج مدتوں بعد تمہاری صورت نظر آئی ہے —»

پادری کی بیوی نے، جو کچھ حاضر تھا میرے سامنے رکھ
دیا — وہ ان تھک بول رہی تھیں — انہوں نے مجھے بتایا کہ
کیسے شوابرن نے انہیں مجبور کیا کہ وہ ماریا ایوانوونا کو اس
کے حوالے کر دیں — ان سے جدا ہوتے ہوئے ماریا ایوانوونا
کتنا روئی، اور کس طرح پالاشا کے ذریعہ وہ ہمیشہ ان کو
حالات سے آگاہ کرتی رہی — (پالاشا بہت تیز لڑکی ہے! اس
نے سارجنٹ کو اپنے اشاروں پر نچا رکھا ہے!) کس طرح
انہوں نے ماریا ایوانوونا کو صلاح دی کہ وہ مجھے خط لکھے

وغیرہ وغیرہ — میں نے بھی چند لفظوں میں انہیں آپ بیتی
سنائی — پادری اور ان کی بیوی نے یہ سن کر کہ پوگاچیوف
کو معلوم ہو گیا ہے کہ انہوں نے اسے دھوکا دیا، اپنے سینوں
پر صلیب کا نشان بنایا — «خدا ہماری حالت پر رحم کرے!»
اکولینا پمفیلوونا نے کہا «خدا کرے طوفان گزر جائے، اور یہ
الکسی ایوانووچ — کتنا برا آدمی ہے، آہ؟» اسی لمحے دروازہ
کھلا اور ماریا ایوانوونا اندر داخل ہوئی — اس کے زرد چہرے
پر مسکراہٹ کے گلاب کھلے ہوئے تھے — اس نے اپنا دھقانی
لباس اتار پھینکا تھا اور پہلے کی طرح سادگی اور خوبصورتی
سے کپڑے پہنے ہوئے تھی —

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا، اور بہت دیر تک بت بنا
کھڑا رہا — ہم بولتے کیا — ہم دونوں کے دل بھرے ہوئے
تھے — ہمارے میزبانوں نے دیکھا کہ ہم دنیا و مافیہا سے غافل
ہیں اور وہ چلے گئے — ہم تنہا رہ گئے — ہم نے سب کچھ
بھلا دیا — ہم نے دل بھر کے باتیں کیں — ماریا ایوانوونا نے
بتایا کہ قلعہ فتح ہونے سے لیکر اب تک اس پر کیا کیا بیتی،
اس نے بتایا کہ وہ کتنی مصیبت میں رہی اور کمینے شوابرن نے
اسے کیسی کیسی اذیتیں دیں — ہم نے گزرے ہوئے خوش گوار
دنوں کی باتیں کیں... ہم دونوں رو رہے تھے... آخر میں نے
اسے اپنا ارادہ بتایا — اسکا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا
کہ اسے ایسے قلعے میں چھوڑ دیا جائے جو پوگاچیوف کے قبضے
میں تھا اور جہاں شوابرن کی حکمرانی تھی — اورن‌برگ جانے

اور محاصرے کے چنگل میں پھنسنے کا بھی کوئی سوال نہیں
تھا — اس کا دنیا میں اب کوئی عزیز رشتہ‌دار نہیں تھا — میری
رائے تھی کہ وہ میرے ماں باپ کے پاس گاؤں چلی جائے —
شروع میں وہ کچھ ہچکچائی، وہ جانتی تھی کہ میرے باپ کو
اس سے نفرت ہے، اس لئے وہ گھبرا رہی تھی — مگر میں نے
اسکے اندیشے دور کر دئے — میں نے اسے یقین دلایا کہ میرے
ابا وطن کی راہ میں شہید ہونیوالے باعزت جنگ‌باز سپاہی کی
بیٹی کو پناہ دینے کو اپنا فرض سمجھیں گے اور اس پر فخر
کریں گے — «ماریا ایوانوونا پیاری!» آخر میں میں نے کہا —
«میں تمہیں اپنی بیوی سمجھتا ہوں — ان عجیب و غریب حالات
نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ
باندھ دیا ہے — دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جدا نہیں کر سکتی —»
ماریا ایوانوونا نے مصنوعی شرم اور جھجک کے بغیر سادگی سے
میری بات سنی — اس نے دیکھا کہ اسکی قسمت میرے ساتھ
وابستہ ہے — لیکن اس نے پھر کہا کہ وہ صرف اس حالت میں
مجھ سے شادی کرے گی جب کہ میرے ماں باپ راضی ہو جائیں —
میں نے اسکی تردید کرنیکی کوشش نہیں کی — ہم نے انتہائی
جوش اور خلوص سے ایک دوسرے کو چوما — اور ہمارے
درمیان سب کچھ طے ہو گیا —

گھنٹے بھر بعد سارجنٹ نے مجھے پروانۂ سفر لاکر دیا،
جس پر پوگاچیوف کے دستخط کی مہر لگی ہوئی تھی — اس
نے کہا کہ پوگاچیوف مجھ سے ملنا چاہتا ہے — میں پہنچا، تو

وہ سفر کے لئے تیار تھا — میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس خوفناک شخص سے جدا ہوتے ہوئے میرے کیا جذبات تھے، اس شخص سے رخصت ہوتے ہوئے جو میرے سوا ہر شخص کیلئے ظالم اور جلاد بھوت سے بدتر تھا — سچی بات ہے اس وقت میرے دل میں اسکے لئے ہمدردی کا چشمہ ابل رہا تھا — میری دلی خواہش تھی کہ میں کسی طرح اسے ان مجرموں سے جدا کر سکوں جنکا وہ سرغنہ تھا — میں چاہتا تھا کہ سر سے پانی گزرنے سے پہلے اسے پھانسی کے پھندے سے بچا لوں — شوابرن اور دوسرے لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے، جو ہمارے قریب گھسے پڑ رہے تھے، میں اپنے دل میں اٹھتے ہوئے جذبات کے طوفان کو الفاظ کا جامہ نہ پہنا سکا —

ہم دو دوستوں کی طرح جدا ہوئے — پوگاچیوف نے اکولینا پمفی‌لوونا کو مجمع میں‌موجود پاکر تنبیہاً اپنی انگلی اٹھائی اور معنی‌خیز انداز میں آنکھہ ماری — پھر وہ گاڑی میں سوار ہوگیا — اس نے کوچوان کو بردا چلنے کا حکم دیا — جیسے ہی گھوڑوں کو حرکت ہوئی، اس نے گاڑی سے سر باہر نکالا — اور چلاکر مجھہ سے کہا «خدا حافظ جناب عالی! ہو سکتا ہے ہم پھر کبھی ایک دوسرے سے ملیں!» واقعی ہم ملے، مگر کن حالات میں!..

پوگاچیوف جا چکا تھا — میں دیر تک برف سے ڈھکے ہوئے صحراؤں کو دیکھتا رہا جہاں اس کی گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی — مجمع چھٹ گیا — شوابرن غائب ہو گیا — میں واپس پادری کے گھر چلا گیا — ہمارے کوچ کا سامان تیار تھا، میں

اب اور دیر کرنے کو تیار بھی نہیں تھا — ہمارا سارا سامان مرحوم کپتان کی گاڑی میں لد چکا تھا، پلک جھپکتے میں کوچوان نے گھوڑے جوت دئے — ماریا ایوانوونا اپنے والدین کی قبروں سے رخصت ہونیکے لئے چلی گئی، اس کے والدین گرجا کے عقب میں ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سو رہے تھے — میں اس کے ساتھہ جانا چاھتا تھا مگر اس نے کہا کہ میں اسے تنہا جانے دوں — چند منٹ بعد وہ واپس آ گئی — اسکی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے — گاڑی تیار تھی — فادر گراسیم اور انکی بیوی ہمیں چھوڑنے برساتی تک آئے — گاڑی میں ہم تین فرد تھے — ماریا ایوانوونا، پالاشا اور میں — ساویلچ کوچوان کے برابر بیٹھہ گیا — «خدا حافظ میری پیاری ماریا ایوانوونا، خدا حافظ میرے پیارے شاھین پیوتر اندریےیچ خدا حافظ!» پادری کی نیک دل اور مہربان بیوی نے کہا «سفر مبارک، خدا کرے تم خوش وخرم رہو!» ہم روانہ ہو گئے — میں نے شوابرن کو کپتان کے مکان کی کھڑکی میں کھڑے ہوئے دیکھا — اس کے چہرے سے غصہ ٹپک رہا تھا — میں نے منہ پھیر لیا کیونکہ میں ہارے ہوئے دشمن کی شکست سے خوش ہونا نہیں چاھتا تھا — آخرکار ہم قلعے کے پھاٹک سے نکل آئے — بیلوگورسک قلعہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہمارے پیچھے رہ گیا —

تیرھواں باب

گرفتاری

«خدا کیلئے ناراض نہ ہو بھائی ـــ مجھے
کوتاھی نہ کرنی چاھئے
میرا فرض ھے، کہ تمہیں پا بہ دست دگرے
دست بہ دست دگرے بھیج دوں»
«سر تسلیم خم ھے ـــ لیکن دوست مجھے
امید ھے کہ پہلے مجھے حال
دل سنانے کا موقع ملے گا ـ» (۱۹)

کنیاژنین

صبح تک جس حسین دوشیزہ کیلئے میں اسقدر فکرمند تھا، اس سے میرا ملاپ کسقدر غیر متوقع تھا، مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، رہ رہ کہ مجھے خیال ہو رہا تھا کہ کہیں یہ سب خواب تو نہیں ھے ـ ماریا ایوانوونا کھوئی کھوئی نظروں سے کبھی مجھے دیکھنے لگتی کبھی سڑک کو ـ شاید وہ ابھی تک حیران و بھونچکا تھی ـ ہم خاموش تھے ـ ھمارے دل تھکن سے چور تھے ـ وقت گزرتا گیا ـ دو گھنٹے کے اندر ہم نزدیک کے قلعے میں پہنچ گئے ـ یہ قلعہ بھی پوگاچیوف کے قبضے میں تھا ـ یہاں ہم نے گھوڑے بدلے ـ جس تیزی سے

ھمارے گھوڑے بدلے گئے اور جس مستعدی اور خدمت گزاری سے وہ داڑھی والا قضاق ھمارے ساتھہ پیش آیا جسے پوگاچیوف نے قلعہ کا حاکم بنا دیا تھا، اس سے میں سمجھا کہ بھلا ہو ھمارے کوچوان کی چرب زبانی کا مجھے یہاں پوگاچیوف کا درباری سمجھا جا رہا ھے ـ

ہم پھر سفر پر روانہ ہو گئے ـ شام کا دھندلکا بڑھہ رہا تھا ـ ہم اس چھوٹے سے شہر کے قریب پہنچے جہاں داڑھی والے حاکم کے قول کے مطابق ایک مضبوط دستے کا پڑاؤ تھا، جو نقلی زار کی فوجوں میں شامل ہونیکے لئے مارچ کر رہا تھا ـ سنتریوں نے ہمیں روکا ـ اس سوال کے جواب میں کہ «یہ کون جا رہا ھے؟» ھمارے کوچوان نے باآواز بلند اعلان کیا «زار کا ایک دوست اور ان کی بیگم!» اچانک ہوساروں کے ایک گروہ نے ہمیں گھیر لیا ـ وہ بھیانک گالیاں بک رہے تھے ـ «باہر نکلو شیطان کے چیلے!» بڑی بڑی مونچھوں والے ایک سارجنٹ میجر نے مجھہ سے کہا ـ «تمہیں اسکا مزہ چکھنا پڑے گا ـ تمہیں اور تمہاری بیگم کو!»

میں گاڑی سے اترا اور میں نے مطالبہ کیا کہ وہ مجھے اپنے افسر کے پاس لے جائیں ـ ایک افسر کو دیکھہ کر سپاہیوں نے گالی گفتار بند کر دی ـ سارجنٹ میجر مجھے میجر کے پاس لے گیا ـ ساویلچ پل بھر کو بھی مجھہ سے جدا نہیں ہوا ـ وہ برابر منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہا تھا «زار کا دوست ـــ سچ ھے!

آسمان سے گرے کھجور میں اٹکے! اے خدا! اسکا کیا انجام ہونا ہے؟» گاڑی ہمارے ساتھ ساتھ آ رہی تھی۔

پانچ منٹ میں ہم روشنیوں سے جگمگاتے ہوئے ایک گھر کے قریب پہنچے۔ سارجنٹ میجر نے مجھے پہرے داروں کے پاس چھوڑا اور خود اطلاع دینے اندر چلا گیا۔ لمحے بھر میں وہ واپس آ گیا۔ اور اس نے بتایا کہ عالی جاہ کے پاس مجھ سے ملنے کا وقت نہیں ہے۔ انہوں نے حکم دیا ہے کہ مجھے قید کر لیا جائے، اور میری بیگم کو ان کے پاس بھیج دیا جائے۔

«کیا بکواس ہے؟» میں غصے میں چیخا۔ «اسکا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟»

«میں کچھ نہیں جانتا جناب عالی» سارجنٹ میجر نے جواب دیا۔ «میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ ان کا حکم ہے کہ آپکو قید کر لیا جائے اور خاتون کو ان کی خدمت میں حاضر کیا جائے، جناب عالی!»

میں تیزی سے برساتی کی طرف بھاگا۔ سنتریوں نے بھی مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں سیدھا ایک کمرے میں پہنچا جہاں پانچ چھ ہوسار افسر جوا کھیل رہے تھے۔ میجر پتے بانٹ رہا تھا۔ میں بتا نہیں سکتا، مجھے یہ دیکھ کر کتنی حیرت ہوئی کہ وہ ایوان ایوانووچ زورین تھا، وہی شخص جس نے سمبرسک کی سرائے میں مجھ سے روپیہ جیتا تھا۔

«کیا یہ ممکن ہے؟» میں چیخ اٹھا۔ «ایوان ایوانووچ! کیا یہ تمہیں ہو؟»

«ہیں پیوتر اندریے یچ تم! تم یہاں کیسے آئے؟ کہو کہاں سے آ رہے ہو؟ آؤ بھائی آداب! آؤ ایک ہاتھ ہو جائے؟»

«شکریہ۔ مہربانی سے تم میرے لئے کمرے کا انتظام کروا دو۔»

«کمرہ کیسا؟ تم میرے ساتھ رہو۔»

«نہیں، میں ساتھ نہیں ٹھہر سکتا، میں تنہا نہیں ہوں۔»

«ٹھیک ہے، تمہارا دوست بھی آ سکتا ہے۔»

«میرے ساتھ کوئی دوست نہیں ہے۔ میرے ساتھ... ایک خاتون ہیں۔»

«خاتون؟ خاتون کہاں سے ہاتھ لگ گئی؟ بھائی!» (یہ کہکر زورین نے کچھ اس انداز سے سیٹی بجائی کہ ہر شخص ہنسنے لگا۔ میں عجیب الجھن میں گرفتار تھا۔)

«اچھا اچھا» زورین نے کہا «ایسا ہی ہوگا۔ تمہیں کمرہ مل جائےگا۔ حالانکہ افسوس ہے... ورنہ ہم پچھلے دنوں کی طرح رنگ رلیاں مناتے۔ اے چھوکرے! تم نے ابھی تک پوگاچیوف کی محبوبہ کو حاضر نہیں کیا؟ کیا وہ حیل حجت کر رہی ہے؟ اس سے کہو ڈرے نہیں، افسر بہت اچھا آدمی ہے، وہ اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچائےگا۔ اگر وہ جھگڑا کرے تو اسکی مرمت کر دو۔»

«یہ کیا حماقت ہے؟» میں نے زورین سے کہا۔ «پوگاچیوف کی محبوبہ کیسی؟ وہ مرحوم کپتان میرونوف کی بیٹی ہے۔ میں نے اسے دشمنوں کے چنگل سے بچایا ہے اور اب اسے اپنے باپ کے پاس لے جا رہا ہوں۔ میرا ارادہ ہے کہ اسے وہیں چھوڑ دونگا۔»

«کیا؟ ارے تو یہ تم ہی تھے جسکی اطلاع مجھے ملی تھی! اچھا اچھا! مگر اسکا کیا مطلب ہے؟»

«میں بعد میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ خدا کیلئے اب غریب لڑکی کو تسلی دو، تمہارے ہوساروں نے اسکا دل دہلا دیا ہے۔»

زورین نے فوراً احکامات صادر کئے۔ وہ ماریا ایوانوونا سے اس غلط فہمی کی معذرت کرنے خود باہر گیا۔ اور سارجنٹ میجر کو حکم دیا کہ اسے شہر کے سب سے اچھے مکان میں لیجائے۔ مجھے اس نے اپنے ساتھ ٹھیرا لیا۔

کھانا ختم کرنیکے بعد ہم تنہا رہ گئے تو میں نے اسے اپنے تمام کارنامے سنائے۔ اس نے بہت توجہ سے میری باتیں سنیں۔ میری کتھا سن کر اس نے اپنا سر ہلایا اور کہا «یہ تو سب ٹھیک ہے بھائی۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی: تم پر شادی کرنیکی کیا مصیبت پڑی ہے؟ میں ایماندار افسر ہوں، یقین کرو، میں تمہیں ورغلانا نہیں چاہتا۔ مگر یقین مانو شادی بالکل بکواس ہے۔ تم کیوں بیوی بچے پالنے کی مصیبت مول لو؟ اس قصے کو ختم کرو! میری بات سنو۔۔

کپتان کی بیٹی سے چھٹکارا حاصل کر ڈالو۔ میں نے سمبرسک جانےوالا راستہ صاف کر لیا ہے، اب وہ بالکل محفوظ ہے۔ کل صبح اسے تنہا اپنے ماں باپ کے پاس بھیج دو، اور تم یہیں میرے دستے میں ٹھیر جاؤ۔ اورن‌برگ واپس جانیکا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تم پھر باغیوں کے چنگل میں پھنس جاؤگے اور اس دفعہ ان سے چھٹکارا نہیں پا سکوگے۔ رفتہ رفتہ جنون عشق بھی ٹھنڈا پڑ جائےگا اور پھر سب ٹھیک ہو جائےگا۔»

حالانکہ میں پوری طرح اس کی باتوں سے متفق نہیں تھا لیکن میں یہ ضرور سمجھتا تھا کہ میرا فرض اور میرا ضمیر مجھ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے ملکہ کی فوج میں موجود رہنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ زورین کے مشورے پر عمل کروں‌گا، اور ماریا ایوانوونا کو گاؤں بھیج دوں‌گا، اور خود اسکے دستے میں رہوں‌گا۔

ساویلچ میرا لباس تبدیل کرانے آیا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ صبح سویرے ماریا ایوانوونا کے ساتھ جانیکے لئے تیار رہے۔ شروع میں اس نے میری رائے کی مخالفت کی: «کیا کہہ رہے ہو جناب؟ میں تمہیں اکیلے چھوڑ دوں؟ تمہاری دیکھ بھال کون کرےگا؟ تمہارے ماں باپ کیا کہیں‌گے؟»

میں ساویلچ کی ضدی طبیعت سے واقف تھا، چنانچہ میں نے سوچا کہ اس کو پیار و محبت سے جیتنا چاہئے۔ «ارھیپ ساویلچ، میرے دوست!» میں نے اس سے کہا۔ «دیکھو انکار نہ کرنا میرے محسن! مجھے یہاں ملازم کی کوئی ضرورت نہیں۔

اگر ماریا ایوانوونا تمہارے بغیر گئی تو مجھے پل بھر کو چین نہیں آئیگا ۔ اسکی خدمت میری خدمت ہے، کیونکہ میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ حالات بہتر ہوتے ہی میں اس سے شادی کروں گا ۔ »

یہ سن کر ساویلچ بھونچکا رہ گیا ۔ اس نے حیرت سے اپنے بازو پھیلا دئے ۔ «اس سے شادی!» اس نے دوھرایا ۔ «بچہ شادی کی بات کر رہا ہے! تمہارے ابا کیا کہیں گے؟ تمہاری اماں کیا سوچیں گی؟»

«وہ راضی ہو جائیں گے ۔ وہ ضرور راضی ہو جائیں گے» میں نے اس کو یقین دلایا «جب وہ دیکھیں گے کہ ماریا ایوانوونا کیا چیز ہے تو وہ راضی ہو جائیں گے ۔ میں تم پر بھی تکیہ کر رہا ہوں ۔ میرے ماں باپ کو تم پر پورا بھروسہ ہے ۔ تم ہماری سفارش کرنا، کروگے نا؟»

بڑھے میاں کا دل پسیج گیا ۔ «اہ پیوتر اندریےیچ مالک!» اس نے کہا «حالانکہ تم ابھی شادی کیلئے بہت چھوٹے ہو، مگر ماریا ایوانوونا اتنی اچھی خاتون ہیں کہ اس زریں موقع کو ہاتھہ سے دینا گناہ ہے ۔ اچھا، ایسا ہی ہوگا! میں اس فرشتہ خصلت بچی کے ساتھہ جاؤں گا اور نہایت انکساری سے تمہارے ماں باپ سے کہوں گا کہ ایسی بہو کو کسی جہیز کی ضرورت نہیں ہے ۔»

میں نے ساویلچ کا شکریہ ادا کیا اور رات گزارنے کیلئے زورین کے کمرے میں چلا گیا ۔ میں اپنے جوش میں بولے جا

رہا تھا ۔ شروع شروع میں زورین مستعدی سے میرے دل کی باتیں سنتا رہا ۔ مگر رفتہ رفتہ اسکی باتیں بہت کم اور بےمعنی ہوتی چلی گئیں ۔ یہاں تک کہ میری کسی بات کے جواب میں اس کے خراٹے کی سیٹی بجی ۔ میں خاموش ہوگیا اور جلد ہی خود بھی سوگیا ۔

اگلے دن صبح میں ماریا ایوانوونا کے پاس گیا تاکہ اسے اپنے ارادے سے آگاہ کردوں ۔ اس نے کہا کہ ہاں یہ دل لگتی بات ہے اور اسنے فوراً میری رائے سے اتفاق کیا ۔ زورین کے دستے کو اسی دن شہر سے کوچ کرنا تھا ۔ اب دیر کرنے کی گنجائش نہیں تھی ۔ میں نے اسی وقت ماریا ایوانوونا کو ساویلچ کے سپرد کیا اور اسے اپنے ماں باپ کیلئے ایک خط دیا اور اسی وقت اس سے رخصت ہوا ۔ ماریا ایوانوونا رو پڑی ۔ «خدا حافظ پیوتر اندریےیچ!» اس نے دھیمی آواز میں کہا ۔ «خدا بہتر جانتا ہے کہ میں اور تم اب کبھی ملیں گے بھی یا نہیں، لیکن میں آخری سانس تک تمہاری یاد کو دل سے نہیں بھلاؤں گی، مرتے دم تک تم میرے دل میں سمائے رہوگے ۔» میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا ۔ ہمارے اردگرد اور لوگ موجود تھے ۔ اور میں نہیں چاہتا تھا کہ غیروں کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھدوں ۔ اور آخر وہ چلی گئی ۔ میں زورین کے پاس چلا گیا، خاموش اور اداس ۔ وہ میرا دل بہلانے کی پوری کوشش کرتا رہا اور میں خود بھی اپنا دھیان بٹانا چاہتا تھا ۔ اور ہم نے رنگ رلیوں اور ہنسی قہقہوں میں دن گزارا اور شام کو کوچ کیا ۔

آخر فروری کا زمانہ تھا۔ جاڑے کا زمانہ، جس نے فوجی
کارروائیوں کو مشکل بنا دیا تھا، اب ختم ہو رہا تھا، اور ہمارے
جنرل بیک وقت چاروں طرف سے حملے کی تیاری کر رہے
تھے۔ پوگاچیوف نے ابھی تک اورن‌برگ کا محاصرہ کر رکھا
تھا۔ لیکن ادھر ادھر بکھرے ہوئے فوجی دستے چاروں طرف
ڈاکوؤں کے اڈے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ باغی گاؤں میں
ہمارے دستوں کی صورت دیکھتے ہی امن قائم ہو جاتا، اور
ڈاکوؤں کے جتھے ہمارے داخل ہوتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے،
غرض حالات بتا رہے تھے کہ فتح قریب ہے۔

بہت جلد شہزادہ گولیتسن نے پوگاچیوف کو تاتی شیوا کے
قلعے سے مار بھگایا۔ اس کے جتھوں کو تتر بتر کر ڈالا اور
اورن‌برگ کو آزاد کرا دیا۔ غرض ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
انہوں نے باغیوں کو آخری اور فیصلہ کن ضرب لگائی۔ اس
زمانے میں زورین کو باغی بشکیریوں کے ایک جتھے کے خلاف
بھیجا گیا، مگر وہ ہماری نظر پڑنے سے پہلے ہی بھاگ گئے۔
بہار نے ہمیں تاتار کے ایک گاؤں میں مقید کر لیا۔ دریاؤں
میں طغیانی آئی ہوئی تھی اور سڑکیں پار کرنا ناممکن ہو گیا
تھا۔ اس بیکاری کے عالم میں ہم اس کے سوا کچھ نہیں کر
سکتے تھے کہ خود کو اس خیال سے تسکین دیں کہ ان وحشی
درندوں، ان باغیوں کے خلاف یہ گھٹیا اور تکلیف دہ جنگ بہت
جلد ختم ہوجائےگی۔

مگر پوگاچیوف ہاتھ نہیں آیا۔ وہ ایک دفعہ پھر سائبیریا
کے لوہے کے کارخانوں میں پہنچ گیا۔ وہاں اس نے نئے جتھے
جمع کئے اور نئے سرے سے اپنی شیطانی کارروائیاں شروع کر
دیں۔ پھر اسکی کامیابی کی افواہیں پھیلنے لگیں۔ ہم نے
سائبیریائی قلعوں کی تباہی کا حال سنا۔ بہت جلدی کازان
پر قبضہ ہو جانے اور نقلی زار کے ماسکو کی طرف بڑھنے کی
خبریں سن‌کر ہمارے فوجی رہنما، جو اس قابل نفرت باغی کو
کمزور سمجھ کر بےپروا ہی سے اونگھ رہے تھے، چونک پڑے۔
زورین کو دریائے والگا پار کرنیکا حکم ملا۔ *

میں اپنی مہم کی تفصیلات اور جنگ کے انجام کا ذکر
نہیں کروں گا۔ میں صرف اتنا کہنے پر اکتفا کروں گا کہ مصیبتوں
کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ہم بہت سے دیہاتوں سے گزرے جنہیں
باغیوں نے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ ہمارے پاس اس کے سوا
اور کوئی چارہ نہ تھا کہ ہم دیہات کے بد قسمت باشندوں کی
آخری پونجی بھی ان سے چھین لیں۔ نظم و نسق کی تمام
کوششیں ترک ہو چکی تھیں۔ زمیندار بھاگ بھاگ کر جنگلوں
کی آغوش میں پناہ لے رہے تھے۔ ہر طرف ڈاکوؤں کے جتھے
ظلم و ستم کر رہے تھے۔ ادھر ادھر بکھرے ہوئے فوجی دستے
من مانے طور پر لوگوں کو معافیاں اور سزائیں دے رہے تھے۔

* اسکے بعد «حذف شدہ باب» آتا ہے جسے ہم ضمیمے میں
دے رہے ہیں۔

جس وسیع و عریض علاقے میں یہ آگ بھڑکی تھی اس کی حالت خراب تھی۔ خدا سبکو اس قسم کی احمقانہ اور وحشیانہ روسی بغاوت سے بچائے! (۲۰)

ایوان ایوانووچ میخلسون پوگاچیوف کو رگید رہے تھے، اور وہ مسلسل پیچھے ہٹ رہا تھا۔ جلد ھی ھمیں اطلاع ملی کہ اسے بالکل پسپا کر دیا گیا۔ آخرکار زورین کو نقلی زار کی گرفتاری کی اطلاع ملی اور ساتھہ ھی ھمیں پڑاؤ ڈالنے کا حکم ملا۔ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ اب میں اپنے ماں باپ کے پاس جا سکتا تھا، ان کے گلے لگنے کے اور ماریا ایوانوونا کو دیکھنے کے خیال سے، جس کی اتنے دن سے مجھے کوئی خیر خبر نہیں تھی، مجھہ پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ میں بچوں کی طرح خوشی سے ناچ اٹھا۔ زورین ھنسا اور اس نے کندھے جھٹک کر کہا «افسوس، تمہارا انجام خراب ہوگا! اچھا کر ڈالو شادی اور کر لو اپنی زندگی ختم!»

مگر ایک عجیب سے خیال نے میری خوشی کو زھر آلود کر دیا تھا۔ میں اس بدمعاش کو نہیں بھلا سکتا تھا جس کے ھاتھہ ان گنت معصوموں کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ مجھے باربار خیال آ رھا تھا کہ اسکا کیا انجام ہوگا۔ «یمیلیا! یمیلیا!» میں نے گہرا سانس لیا۔ «تم کسی سنگین کا شکار کیوں نہ ہو گئے، کسی گولی کے سامنے کیوں نہ آ گئے؟ تمہارے لئے اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا۔» میں اپنے ان جذبات پر قابو نہ پا سکا۔ پوگاچیوف کے تصور کے ساتھہ میرے ذھن میں

ھمیشہ اپنی زندگی کے اس خطرناک لمحے کا خیال آتا جب اس نے میرے ساتھہ رحم کا سلوک کیا اور یہ خیال آتا کہ یہی وہ شخص ھے جس نے میری دلہن کو ذلیل شوابرن کے پنجے سے چھٹکارا دلایا۔

زورین نے مجھے کچھہ دن کی چھٹی دے دی۔ چند دن بعد، میں ایک دفعہ پھر اپنے خاندان والوں کے ساتھہ ہونگا، ایک دفعہ پھر اپنی پیاری ماریا ایوانوونا کو دیکھوں گا... اور اچانک میرے سر پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

ٹھیک اس دن جب مجھے رخصت ہونا تھا، ٹھیک اس لمحے، جب میں روانگی کی تیاری کر رھا تھا، زورین اس جھونپڑی میں آیا، جہاں میں ٹھیرا ہوا تھا۔ اس کے ھاتھہ میں ایک کاغذ تھا اور اس کے چہرے سے انتہائی پریشانی ٹپک رھی تھی۔ میرے دل میں درد کی ٹیس سی محسوس ہوئی۔ نہ معلوم میں کس خیال سے خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے میرے اردلی کو کمرے سے باھر بھیج دیا۔ اور کہا کہ وہ مجھے کچھہ بتانا چاھتا ھے۔ «کیا بات ھے؟» میں نے گھبرا کر پوچھا۔ «کچھہ ناخوشگوار سی خبر ھے» اس نے مجھے کاغذ دیتے ہوئے جواب دیا۔ «لو پڑھو۔ ابھی ابھی مجھے ملا ھے۔» میں نے پڑھنا شروع کیا۔ یہ تمام فوجی حکام کے نام ایک خفیہ حکم تھا کہ میں جہاں بھی ہوں مجھے قید کر لیا جائے، اور پہرے کے ساتھہ کازان بھیج دیا جائے، جہاں مجھے پوگاچیوف کی بغاوت کی چھان‌بین کرنے والے کمیشن کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

میرے ہاتھ سے کاغذ چھوٹنے لگا۔ «کیا کیا جائے» زورین نے کہا۔ «میرا فرض ہے کہ حکم کی تعمیل کروں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح پوگاچیوف کے ساتھ تمہارے سفر کی خبریں حکومت تک پہنچ گئیں۔ مجھے یقین ہے کہ سب ٹھیک ہو جائےگا۔ اور تم کمیشن کے سامنے صفائی پیش کر سکوگے۔ ہمت نہ ہارو، چلو فوراً روانہ ہو جاؤ۔» میرا ضمیر صاف تھا۔ مجھے مقدمے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ مگر ملاقات کے حسین لمحے کو مہینوں کیلئے، ملتوی کرنیکے خیال سے میں تڑپ اٹھا۔ گاڑی تیار تھی۔ زورین نے دوستانہ انداز سے مجھے رخصت کیا۔ میں گاڑی میں بیٹھ گیا۔ دو ہوسار شمشیر برہنہ میرے ساتھ تھے۔ ہماری گاڑی شاہراہ پر دوڑنے لگی۔

چودھواں باب

مقدمہ

افواہیں جنگل کی آگ کی طرح
پھیلتی ہیں
کہاوت

مجھے یقین تھا کہ میرا اکلوتا جرم یہ ہے کہ میں بغیر اجازات اورن برگ سے غائب رہا۔ اس کی صفائی پیش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ محاصرے سے نکل کر دشمن پر حملہ آوار ہونیکو منع کرنے کا تو کیا سوال، اسکی تو ہمیشہ حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ میرے خلاف بےضرورت جلد بازی اور جوش کا الزام ہو سکتا ہے لیکن حکم عدولی کا نہیں ہو سکتا۔ مگر دوسری طرف پوگاچیوف سے میرے دوستانہ تعلقات کا ثبوت ان‌گنت شہادتوں سے مل سکتا تھا۔ اور ظاہر ہے یہ چیز کچھ نہیں تو کم سے کم انتہائی مشتبہ معلوم ہوگی۔ میں راستے بھر ان سوالوں کے بارے میں سوچتا رہا، جو مجھ سے کئے جا سکتے تھے، اور راستے بھر ان کے جوابوں پر غور کرتا رہا۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ میں منصف کے سامنے ہر بات

صاف صاف بتا دوں گا، کیونکہ سب سے زیادہ سادہ اور آسان
طریقہ یہی ہے۔

میں کازان پہنچا۔ وہ بالکل برباد ہو چکا تھا اور جل کر
تقریباً راکھ کا ڈھیر ہو گیا تھا۔ گلی میں راکھ کے ڈھیر
اور جلی ہوئی دیواروں کے بچے کھچے حصے نظر آ رہے تھے
مگر نہ چھتوں کا پتہ تھا نہ کھڑکیوں کا نشان۔ تو یہ تھے
پوگاچیوف کے چھوڑے ہوئے نشانات! مجھے اس قلعہ میں پہنچایا
گیا جو راکھ اور ملبے کے اس شہر کی اکلوتی صحیح و سالم
عمارت تھی۔ ہوساروں نے مجھے اس سنتری کے حوالے کر دیا
جو اسوقت پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے لوہار کو بلوایا اور
میرے ٹخنے میں بیڑیاں ڈال کر کس دی گئیں۔ پھر مجھے
قیدخانے میں پہنچایا گیا اور میں تنگ و تاریک کوٹھڑی میں
تنہا چھوڑ دیا گیا، اسکی بےرنگ دیواروں میں آہنی سلاخوں
کی صرف ایک ذرا سی کھڑکی تھی۔

اس آغاز کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا۔ بہر حال نہ میں
نا امید ہوا نہ میں نے ہمت ہاری۔ میں نے اسی چیز کا سہارا
لیا جو تمام دکھی دلوں پر پھایا رکھتی ہے۔ زندگی میں پہلی
بار میں ایسی دعا کی لذت سے آشنا ہوا، جو پاک و صاف اور
دکھی دل کی دعا تھی، اور اس کی پرواہ کئے بغیر، کہ میرا
کیا حشر ہوگا، میں سکون کی نیند سو گیا۔

اگلے دن صبح جیلر نے مجھے اٹھایا۔ اس نے بتایا کہ مجھے
فوراً کمیشن کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ دو سپاہی مجھے

احاطے کے اس پار کمانڈر کے گھر میں لے گئے۔ وہ دونوں
غلام گردش میں ٹھہر گئے اور مجھے اندر بھیج دیا۔

میں ایک خاصے کشادہ کمرے میں داخل ہوا۔ کاغذات
سے لدی ہوئی میز کے قریب دو آدمی بیٹھے تھے: ایک معمر
جنرل، جو بہت خشک طبیعت اور سخت گیر معلوم ہوتا تھا،
اور گارد دستے کا ایک تقریباً اٹھائیس سالہ اچھی صورت کا
خوش اطوار اور بےتکلف نوجوان کپتان۔ سکریٹری کھڑکی
کے برابر دوسری میز کے قریب بیٹھا تھا۔ اس کا قلم کان کے
پیچھے رکھا تھا اور وہ میرے جواب لکھنے کیلئے کاغذ پر جھکا
بیٹھا تھا۔ جرح شروع ہو گئی۔ مجھ سے میرا نام اور پیشہ
پوچھا گیا۔ جنرل نے پوچھا کہ کیا میں اندری پیتروچ گرنیوف
کا بیٹا تو نہیں ہوں۔ میرے ہاں کہنے پر اس نے سختی سے
کہا: «افسوس کی بات ہے کہ اتنے شریف آدمی کا بیٹا اتنا
نالائق ہے!» میں نے سکون سے جواب دیا کہ میرے خلاف جو
الزام بھی ہو، مجھے امید ہے کہ میں صحیح صحیح واقعات بیان
کرکے اپنی صفائی پیش کر سکوں گا۔ جنرل کو میری خود
اعتمادی ایک آنکھ نہ بھائی۔ «بہت تیز معلوم ہوتے ہو» اس
نے تیوری چڑھا کر کہا۔ «مگر ہم نے تم جیسے بہت دیکھے
ہیں۔»

اسکے بعد نوجوان شخص نے پوچھا کہ میں کب اور کن
حالات میں پوگاچیوف کے گروہ میں شامل ہوا۔ اور اس نے
میرے سپرد کیا خاص کام کیا تھا۔

میں نے غصے اور نفرت سے جواب دیا کہ میں ایک افسر اور ایک شریف انسان ہوں، میں نہ کبھی پوگاچیوف کا خادم ہو سکتا ہوں نہ کبھی اسکی خدمت کر سکتا ہوں۔

«پھر یہ کیسے ہوا» اس نے کہا «کہ نقلی زار نے ایک افسر، ایک شریف کو تو چھوڑ دیا اور اسکے تمام ساتھیوں کو سفاکی سے قتل کر دیا۔ یہ کیسے ہوا کہ اسی افسر اور اسی شریف نے باغیوں کے ساتھہ مست ہو ہو کر دعوتیں اڑائیں اور خاص بدمعاش کے ہاتھہ سے تحفے قبول کئے، بھیڑ کی کھال کا کوٹ، گھوڑا اور پچاس کوپک۔ اور اگر اس کی بنیاد غداری یا کم سے کم گھٹیا اور شرمناک بزدلی نہیں ہے تو یہ دنیا سے نرالی دوستی کیسے پیدا ہوئی؟»

گارد دستے کے افسر کے ان الفاظ سے مجھے دلی صدمہ ہوا۔ میں نے تند ہی سے اپنے اعمال کی صفائی پیش کرنی شروع کی۔ میں نے بتایا کہ کیسے پوگاچیوف سے میری پہلی ملاقات برفانی طوفان کے وقت صحرا میں ہوئی، اور کس طرح بیلوگورسک قلعے پر حملے کے وقت پہچان کر اس نے مجھے معاف کر دیا۔ میں نے کہا کہ یہ سچ ہے کہ میں نے نقلی زار کا گھوڑا اور کوٹ قبول کرنے میں تامل نہیں کیا لیکن کیا میں نے آخری لمحے تک بیلوگورسک قلعے کی حفاظت نہیں کی۔ آخر میں میں نے اپنے جنرل کا حوالہ دیا جو اورن برگ کے تباہ کن محاصرے کے زمانے میں میرے جوش اور میری سرگرمی کی تصدیق کر سکتے تھے۔

سخت چہرے والے شخص نے میز سے ایک خط اٹھایا اور اسے با آواز بلند پڑھنا شروع کیا:

«فوجی افسر گرنیوف کے سلسلے میں آپکی تفتیش کے جواب میں، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس بغاوت میں شریک تھا اور جس نے فوجی قوانین کے اور وفاداری کے عہد کے خلاف اس بدمعاش سے تعلقات قائم کئے، میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ موصوف افسر گرنیوف نے اکتوبر ۱۷۷۳ء کی شروع تاریخوں سے لیکر اس سال چوبیس فروری تک اورن برگ میں کام کیا، اور اس تاریخ کو وہ شہر سے غائب ہوگیا، اور تب سے وہ میرے ماتحت فوج میں تو دیکھا نہیں گیا۔ پناہ گزینوں نے بتایا کہ وہ پوگاچیوف کے ساتھہ گاؤں میں تھا، اور اسکے ساتھہ بیلوگورسک قلعے میں گیا، جہاں وہ پہلے کام کرتا تھا۔ جہاں تک اس کے چال چلن کا سوال ہے تو میں کہوں گا کہ...» یہاں پہنچ کر وہ خاموش ہوگیا۔ اور اس نے کرختگی سے مجھ سے کہا «اب تمہیں اپنے متعلق کیا کہنا ہے؟»

میں نے جس طرح بات شروع کی تھی اسی طرح جاری رکھنا چاہتا تھا۔ میں اسی صاف‌گوئی سے ماریا ایوانوونا سے اپنے تعلقات اور باقی تمام باتیں بتانا چاہتا تھا۔ مگر اچانک مجھے انتہائی کراہیت محسوس ہوئی۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے اسکا ذکر کیا تو کمیشن پوچھہ گچھہ کیلئے اسے بھی بلوائے گا۔ یہ خیال کہ اسکا نام بدمعاشوں کے ذلیل بہتانوں کے ساتھہ وابستہ ہو جائے گا، اور یہ خیال کہ اسے بذات خود یہاں

آنا پڑے گا میرے لئے اسقدر وحشت ناک تھے کہ میں ہکلانے
لگا اور میری باتیں بےمعنی سی ہوگئیں۔

میرے منصف جو ذرا توجہ سے میری بات سن رہے تھے،
میری الجھن کو دیکھ کر پھر میری طرف سے بد ظن ہوگئے۔
گارڈ دستے کے افسر نے کہا کہ اصلی مخبر کے سامنے لایا
جائے۔ جنرل نے حکم دیا کہ کل والا ملزم پیش کیا جائے۔
میں اپنے اوپر الزام لگانے والے کے انتظار میں بےتابی سے
دروازے کی طرف مڑا۔ چند منٹ بعد زنجیروں کی جھنکار
سنائی دی، دروازہ کھلا اور شوابرن داخل ہوا۔ میں اس کی
بدلی ہوئی حالت دیکھ‌کر حیران رہ گیا۔ وہ بےانتہا دبلا اور
زرد ہو گیا تھا۔ اس کے بال جو چند دن پہلے تک سیاہ تھے
اب بہت سفید ہو گئے تھے۔ اور اس کی لمبی داڑھی الجھی
ہوئی تھی۔ اس نے بہت کمزور آواز میں مگر انتہائی یقین کے
ساتھ ان الزامات کو دھرایا۔ اس کے بیان کے مطابق مجھے
پوگاچیوف نے خبررسانی کیلئے اورن برگ بھیجا تھا۔ شہر کے
حالات کی تحریری خبریں دینے کیلئے میں دشمن پر حملہ کرنیکے
بہانے روزانہ محاصرے سے باہر جاتا تھا۔ اور آخر میں، میں
کھلم کھلا نقلی زار کے ساتھ مل گیا۔ اور اس کے ساتھ ایک
قلعے سے دوسرے قلعے میں گھومتا پھرا، اور اپنے دوسرے غدار
ساتھیوں کی جگہ ہتیانے کیلئے اور نقلی زار کے دئے ہوئے
تحفوں سے فائدہ اٹھانے کیلئے میں انہیں تباہ کرنیکی پوری کوشش
کرتا رہا۔ میں نے خاموشی سے اس کی بات سنی۔ مجھے ایک

بات کی خوشی تھی کہ ماریا ایوانوونا کا نام اس کمینے بدمعاش
کی زبان پر نہیں آیا۔ شاید اس لئے کہ ایسی ہستی کے خیال
سے جو اسے انتہائی حقارت سے ٹھکرا چکی تھی، اس کی
خودداری کو ٹھیس پہنچتی تھی، یا شاید اس کے دل میں بھی
ابھی تک انہیں جذبات کی ہلکی سی چنگاری باقی تھی، جنہوں
نے مجھے ماریا ایوانوونا کے متعلق کچھ کہنے سے باز رکھا
تھا۔ بہر حال خواہ کسی وجہ سے سہی مگر کمیشن کے سامنے
بیلوگورسک قلعے کے حاکم کی بیٹی کا ذکر نہیں آیا۔ اور
اس وجہ سے میرا ارادہ اور پکا ہو گیا، اور جب منصفوں نے
مجھ سے پوچھا کہ مجھے شوابرن کے بیان کو غلط ثابت کرنیکے
لئے کیا کہنا ہے تو میں نے یہی کہا کہ میں اپنے پہلے بیان
پر قائم ہوں، مجھے اپنی صفائی میں اور کچھ نہیں کہنا۔ جنرل
نے حکم دیا کہ ہمیں باہر بھیج دیا جائے۔ ہم ساتھ ساتھ
کمرے سے باہر نکلے۔ میں نے پرسکون نظروں سے شوابرن کی
طرف دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ وہ انتہائی کینہ توز انداز
سے ہنسا اور اپنی زنجیریں سنبھال کر مجھ سے آگے آگے
کمرے سے باہر نکلا اور قدم بڑھا کر آگے بڑھ گیا۔ مجھے
قیدخانے میں ڈال دیا گیا اور پھر کبھی تحقیقات کیلئے نہیں
بلایا گیا۔

اب میں آپکو وہ واقعات بتاؤں‌گا جو اگرچہ میں نے اپنی
آنکھ سے نہیں دیکھے مگر انہیں اتنی بار سنا ہے کہ ان کی
چھوٹی سے چھوٹی تفصیل بھی میرے دل و دماغ پر نقش ہے۔

یہاں تک کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان واقعات کے وقت وہاں نہ ہوتے ہوئے بھی میں وہاں موجود تھا ۔

میرے ماں باپ نے اسی خلوص اور تپاک سے ماریا ایوانوونا کا سواگت کیا جو پہلے زمانے کے لوگوں کی خصوصیت تھی ۔ انہوں نے سوچا کہ یہ ان کی خوش قسمتی ہے کہ خدا نے انہیں غریب یتیم کو پناہ دینے اور اسکی دیکھہ بھال کرنے کا موقع دیا ۔ اور بہت جلد وہ واقعی دل سے اس سے محبت کرنے لگے کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ کوئی شخص اسے دیکھے اور پسند نہ کرے ۔ اب میرے ابا نے یہ سمجھنا چھوڑ دیا کہ میرے جذبات محض حماقت پر مبنی تھے ۔ اور میری اماں کی تو سب سے بڑی تمنا یہی تھی کہ ان کے پیتروشا کی شادی پیاری بچی یعنی کپتان کی بیٹی سے ہو جائے ۔

میری قید کی خبر نے میرے خاندان والوں کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا ۔ ماریا ایوانوونا نے اتنی سادگی سے میرے والدین سے میری اور پوگاچیوف کی انوکھی ملاقات کا ذکر کیا تھا کہ اس سے پریشان ہونا تو درکنار، وہ اکثر اس سے بےحد محظوظ ہوتے اور دل کھول کر ہنستے تھے ۔ میرے ابا کو کسی طرح یقین نہیں آ سکتا تھا کہ میں اس نیچ بغاوت میں شریک تھا، جو تخت کو ختم کرنے اور امرا کے طبقے کو نیست ونابود کرنے کیلئے شروع ہوئی تھی ۔ انہوں نے کرید کرید کر ساویلچ سے پوچھہ گچھہ شروع کی ۔ میرے بوڑھے اتالیق نے ابا سے یہ نہیں چھپایا کہ املکی پوگاچیوف نے اس کے مالک کی خاطر

مدارات کیں اور بدمعاش نے میرے ساتھہ اچھا سلوک کیا لیکن انہوں نے قسمیں کھائیں کہ انہوں نے کبھی میری غداری کی بات نہیں سنی تھی ۔ بچارے بوڑھوں کی پریشانی کم ہو گئی اور وہ بےصبری سے خوش خبری کا انتظار کرنے لگے ۔ ماریا ایوانوونا اگرچہ بہت پریشان تھی لیکن اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا کیونکہ وہ انتہا درجہ کی خاموش طبیعت اور سمجھدار لڑکی تھی ۔

کئی ہفتے گزر گئے... اور تب میرے ابا کو پیٹرسبرگ سے ہمارے رشتےدار شہزادہ ب ۔ کا خط ملا ۔ خط میرے متعلق تھا ۔ سلام دعا کے بعد شہزادہ ب ۔ نے لکھا تھا کہ بدقسمتی سے باغیوں کی سازش میں میری ساز باز کا شبہ بےسبب نہیں تھا ۔ مجھے اچھی طرح اس کی سزا ملنی چاہئے تھی، مگر ملکہ نے فیصلہ کیا ہے کہ میرے ابا کی ضعیفی اور ان کی خدمات کو دیکھتے ہوئے، ان کے بدنام بیٹے کو معاف کر دیں اور پھانسی کی شرمناک موت کے بجائے اسے تمام عمر کیلئے سائبیریا کے دور دراز علاقوں میں جلا وطن کر دیں ۔

اس غیر متوقع صدمے نے میرے ابا کو ادھہ موا کر دیا ۔ وہ ضبط نفس کھو بیٹھے اور تلخ الفاظ میں اپنے غصے کا (جسے وہ عام طور پر خاموشی سے برداشت کرتے تھے) اظہار کرنے لگے ۔ «کیا؟» وہ آپے سے باہر ہوکر بار بار کہہ رہے تھے «میرا بیٹا اور پوگاچیوف کا ساتھی! اے خدا میں یہی دیکھنے کو زندہ تھا! ملکہ نے اسکے قتل کی سزا کو عمر قید میں بدل

دیا! گویا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے! ارے مجھے اسکی موت کا دکھ نہیں ہے— میرے بزرگوں میں سے ایک، اپنے اصولوں کی خاطر پھانسی کے تختے پر چڑھے، میرے ابا والینسکی اور خروشچوف (۲۱) کے ساتھ شہید ہوئے— مگر غضب خدا کا ایک شریف خاندان کا لڑکا وفاداری کا عہد توڑے اور بدمعاشوں، قاتلوں اور آوارگرد غلاموں سے مل جائے! لعنت ہے ہماری سات پشتوں پر!..» ان کی نا امیدی دیکھ کر میری اماں گھبرا گئیں، وہ ان کے سامنے آنسو تک نہ بہاتیں بلکہ وہ ان افواہوں کے غلط ہونے اور اس رائے کے غیر یقینی ہونے کی باتیں کرکے ان کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتیں— مگر میرے ابا کو کسی کل چین نہ آتا—

سب سے زیادہ دکھ ماریا ایوانوونا کو تھا— اسے یقین تھا کہ میں بہت آسانی سے اپنی صفائی پیش کر سکتا تھا، اور وہ بات کی تہ تک پہنچ گئی، وہ سمجھتی تھی کہ میری ساری مصیبتوں کی جڑ خود وہ ہے— ہر شخص سے اپنا دکھ درد اور اپنے آنسو چھپائے ہوئے وہ برابر مجھے بچانے کی ترکیبیں سوچتی رہی—

ایک شام کو میرے ابا صوفے پر بیٹھے ہوئے شاہی کیلنڈر کی ورق گردانی کر رہے تھے— مگر ان کا دھیان کہیں اور تھا— اس لئے اس رسالے نے ان پر پہلا سا اثر نہیں کیا— وہ بہت ہلکی سی سیٹی میں مارچ کی ایک پرانی دھن گنگنا رہے تھے— میری ماں خاموشی سے ایک اونی صدری بن رہی تھیں،

تھوڑی تھوڑی دیر بعد بنائی پر ان کے آنسو نچھاور ہو رہے تھے— اچانک ماریا ایوانوونا نے، جو ان کے پہلو میں بیٹھی سلائی کر رہی تھی، کہا کہ ان حالات میں اس کے لئے پیٹرسبرگ جانا ضروری ہے— اس نے کہا کہ وہ اسکے جانے کے لئے سواری کا انتظام کر دیں— میری اماں کو بہت صدمہ ہوا— «تم پیٹرسبرگ جا کر کیا کروگی؟» انہوں نے پوچھا— «ماریا ایوانوونا کیا تم بھی ہمیں چھوڑ دوگی؟» ماریا ایوانوونا نے کہا کہ اس کی زندگی کا دار و مدار اس سفر پر ہے— اس نے کہا کہ وہ ایسے شخص کی بیٹی ہونے کے ناتے، جو وفاداری کی خاطر مارا گیا، بارسوخ لوگوں سے مدد لینے اور ان کی سرپرستی حاصل کرنے جا رہی ہے—

میرے باپ نے سر جھکا لیا— ہر وہ بات جو ان کے بیٹے کے ناکردہ گناہ کی یاد دلاتی تھی، ان کے لئے سخت تکلیف دہ تھی— وہ ان کے لئے انتہائی تلخ طعنے کے برابر تھی— «جاؤ بیٹی!» انہوں نے ٹھنڈا سانس لیا— «ہم تمہاری خوشی میں کوئی روڑا نہیں اٹکانا چاہتے— خدا کرے تمہیں سزا یافتہ غدار نہیں بلکہ کوئی نیک شوہر نصیب ہو—» وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کمرے سے باہر چلے گئے—

جب ماریا ایوانوونا میری اماں کے ساتھ تنہا رہ گئی تو اس نے میری اماں کو بتایا کہ اس کا کیا ارادہ ہے— میری اماں نے اسے گلے لگایا— ان کی آنکھیں بھری ہوئی تھیں، اور خدا سے دعا کی کہ اس کو اپنے ارادے میں کامیابی ہو— ماریا

ایوانوونا کے سفر کا سامان تیار ہو گیا۔ اور چند دن بعد سفر پر روانہ ہوگئی۔ وفادار پالاشا اور قابل اعتماد ساویلچ اس کے ساتھ تھے۔ ساویلچ مجبوراً مجھ سے الگ ہونے کے بعد اپنے دل کو اس خیال سے تسلی دیتا تھا کہ وہ کم سے کم میری ہونے والی دلہن کی خدمت کر رہا ہے۔

ماریا ایوانوونا بخیر و خوبی صوفیا پہنچ گئی، اور جب اسے پتہ چلا کہ ان دنوں دربار زارسکوئے سیلو میں مقیم ہے تو اس نے وہیں ٹھیرنے کا فیصلہ کیا۔ اسے چوکی پر پردے کے پیچھے ایک چھوٹا سا کونہ مل گیا۔ چوکی کے داروغہ کی بیوی نے فوراً اس سے باتیں شروع کر دیں۔ اس نے بتایا کہ وہ محل کی بھٹی جلانے والے شخص کی بھانجی ہے۔ اس نے ماریا ایوانوونا کو محل کی زندگی کے بہت سے راز بتائے۔ اس نے بتایا کہ عام طور سے ملکہ صبح کس وقت اٹھتی ہیں، کب قہوہ پیتی ہیں، اور کب سیر کو جاتی ہیں، سیر کے وقت کون کونسے درباری ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ملکۂ معظمہ نے ایک دن پہلے کھانے کی میز پر کیا کہا تھا، اور شام کو انہوں نے کس کس سے ملاقات کی۔ قصہ مختصر یہ کہ آننا ولاسئیونا کی باتیں کسی طرح تاریخ کے اوراق سے کم نہ تھیں اور آئیندہ نسلوں کیلئے تو بیش بہا خزانہ تھیں۔ ماریا ایوانوونا نے توجہ سے اس کی باتیں سنیں۔ وہ دونوں باغ میں گئیں۔ آننا ولاسئیونا نے اپنی ساتھی کو باغ کی ہر ہر روش اور ہر ہر پل کی تاریخ سنائی اور جب وہ ٹہلنے کے بعد چوکی

پر واپس آئیں تو وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت خوش تھیں۔

اگلے دن ماریا ایوانوونا صبح سویرے اٹھی اور تیار ہوکر خاموشی سے باغ میں چلی گئی۔ صبح بہت حسین تھی۔ درختوں کی اونچی شاخوں پر، جو خزاں کی سرد ہواؤں کی وجہ سے زرد ہو چکی تھیں، سورج چمک رہا تھا، وسیع جھیل کا خاموش اور ساکت پانی جھلملا رہا تھا۔ راج ہنس ابھی نیند کی آغوش سے نکلے تھے اور جھیل کے کنارے اگی ہوئی جھاڑیوں کے پیچھے سے نکل نکل کر جھیل کے پانی پر تیر رہے تھے۔ ماریا ایوانوونا ایک بہت خوبصورت چراگاہ سے گزری جس کے بیچوں بیچ کاؤنٹ پیوتر الیکزاندرووچ رومیانتسیف (۲۲) کی حالیہ فتوحات کے اعزاز میں کچھ ہی دن ہوئے ایک لاٹھ تعمیر کی گئی تھی۔ اچانک انگریز نسل کا ایک چھوٹا سا سفید کتا بھونکتا ہوا اس کی طرف دوڑا۔ ماریا ایوانوونا گھبرا کر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اسی لمحے اسنے کسی خاتون کی دلکش آواز سنی۔ «ڈرو نہیں، یہ کاٹتا نہیں۔» اب ماریا ایوانوونا کی نظر ایک خاتون پر پڑی، جو لاٹھ کے دوسری طرف ایک بنچ پر بیٹھی تھیں۔ ماریا ایوانوونا بنچ کے دوسرے کونے پر بیٹھ گئی۔ خاتون مسلسل غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ماریا ایوانوونا نے بھی کنکھیوں سے انہیں دیکھا اور ان کے سروپا کا اندازہ لگا لیا۔ وہ صبح کا سفید لباس، شب خوابی کی ٹوپی اور روئی کی صدری پہننے ہوئے تھیں۔ ماریا ایوانوونا

نے اندازہ لگایا کہ وہ تقریباً چالیس سال کی ھوں گی۔ ان کا بھرا بھرا اور گلابی چہرہ بارعب اور پرسکون تھا، ان کی نیلی نیلی آنکھوں اور ھلکی سی مسکراھٹ میں بلا کی دلکشی تھی۔
اس اجنبی خاتون نے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔

«تم اس علاقے میں تو نہیں رھتیں نا؟»

«نہیں — میں تو کل ھی دیہات سے آئی ھوں۔»

«کیا تم اپنے خاندان والوں کے ساتھ ھو؟»

«نہیں خاتون میں تنہا آئی ھوں۔»

«اکیلی؟ مگر تم تو بالکل بچی سی ھو!»

«میرے ماں ھیں نہ باپ۔»

«میرے خیال میں تم کسی کام سے یہاں آئی ھوگی۔»

«جی ھاں خاتون میں ملکہ کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کرنے آئی ھوں۔»

«تم یتیم ھو۔ غالباً تم کسی نا انصافی کی شکایت کرنے آئی ھوگی؟»

«نہیں خاتون، میں انصاف کی طالب نہیں ھوں، میں تو رحم کی بھیک مانگنے آئی ھوں۔»

«کیا میں پوچھ سکتی ھوں کہ تم کون ھو؟»

«میں کپتان میرونوف کی بیٹی ھوں۔»

«کپتان میرونوف! اورن برگ کے قلعوں میں سے ایک کے سابقہ حاکم؟»

«جی ھاں، خاتون۔»

خاتون پر کافی اثر ھوا۔ «معاف کرنا» انہوں نے اور زیادہ محبت سے کہا «میں تمہارے معاملات میں دخل دے رھی ھوں۔ مگر میرا محل سے قریبی تعلق ھے، مجھے بتاؤ تم کیا چاھتی ھو۔ ھو سکتا ھے میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔»

ماریا ایوانوونا اٹھ کھڑی ھوئی، اور اس نے بہت ادب سے انکا شکریہ ادا کیا۔ اس اجنبی عورت کی ھر ھر ادا سے ھمدردی کی بو آ رھی تھی اور ان پر بھروسہ کرنیکو جی چاھتا تھا۔ ماریا ایوانوونا نے جیب سے ایک تہ شدہ کاغذ نکالا اور اسے اپنی اجنبی سر پرست کے ھاتھ میں دے دیا۔ انہوں نے خاموشی سے اسے پڑھنا شروع کیا۔

شروع شروع میں وہ بہت توجہ اور ھمدردی سے پڑھتی رھیں۔ مگر اچانک ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اور ماریا ایوانوونا، جو ان کی ھر ھر جنبش کو دیکھ رھی تھی، ان کے چہرے کی کرختگی کو دیکھ کر گھبرا گئی جو چند لمحے پہلے تک اسقدر دلکش اور اسقدر پر سکون تھا۔

«تم گرنیوف کی سفارش کر رھی ھو؟» خاتون نے بےرخی سے کہا۔ «ملکہ اس کو معاف نہیں کر سکتیں۔ وہ محض سیدھے پن یا انجان پن کی وجہ سے نقلی زار کے گروہ میں شامل نہیں ھوا، اس کی غداری ایک بےاصول اور خوفناک بدمعاش کی غداری تھی۔»

«اوہ یہ صحیح نہیں ھے!» ماریا ایوانوونا چلائی۔

«صحیح نہیں ھے!» خاتون نے دوھرایا، وہ غصے سے سرخ ھو گئیں۔

«غلط ہے، خدا کی قسم یہ غلط ہے! مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ اس نے صرف میری خاطر سے یہ سب کچھ کیا۔ اور اگر اسنے ججوں کے سامنے صفائی پیش نہیں کی تو اس وجہ سے کہ وہ میرا نام بیچ میں نہیں لانا چاہتا تھا۔» اور اسنے پورے جوش و خروش سے وہ پوری کتھا سنائی جس سے آپ سب واقف ہیں۔

خاتون نے توجہ سے اس کی بات سنی۔ «تم کہاں ٹھیری ہوئی ہو؟» ماریا ایوانوونا کی بات ختم ہوتے ہی انہوں نے پوچھا۔ اور آننا ولاسئیونا کا نام سنکر وہ مسکرائیں۔ «اوہ، میں اسے جانتی ہوں! خدا حافظ۔ کسی سے ہماری ملاقات کا ذکر نہ کرنا۔ امید تو ہے کہ تمہیں بہت دن اپنے خط کے جواب کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔»

یہ کہکر وہ اٹھیں اور ایک بند روش پر چلی گئیں۔ ماریا ایوانوونا خوش خوش آننا ولاسئیونا کے ہاں چلی گئی۔

اس کی میزبان نے خزاں کے موسم میں اتنے سویرے سویرے ٹہلنے پر اسے ڈانٹا۔ اس نے کہا کہ نوجوان لڑکیوں کیلئے یہ بہت برا ہے۔ وہ سماوار اندر لائی، اور چائے کی پیالی کے ساتھ ساتھ اس نے دربار کی بےپایاں کہانیوں میں سے ایک سنانی شروع ہی کی تھی کہ سرکاری گاڑی برساتی میں پہنچی، اور محل کے ایک ملازم نے اندر آکر اطلاع دی کہ ملکہ نے ماریا میرونووا کو اپنی خدمت میں بلایا ہے۔

آننا ولاسئیونا حیران رہ گئی اور اس نے ہل چل مچا دی۔ «اوہ میرے خدا!» وہ چلائی۔ «ملکہ نے تمہیں محل میں طلب کیا ہے! انہوں نے کہاں سے تمہارے متعلق سن لیا؟ مگر میری پیاری تم ملکہ کی خدمت میں کیسے جاؤ گی؟ میرے خیال میں تم دربار کے طور طریق سے بالکل ناواقف ہو۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں تمہارے ساتھ چلوں؟ کم سے کم میں تمہیں کچھ ہدایتیں تو دے سکوں گی۔ مگر تم سفری لباس میں کیسے جاؤ گی؟ کہو تو میں دائی سے اس کا زرد فراک منگواؤں؟» محل کے ملازم نے بتایا کہ ملکہ کا حکم ہے کہ ماریا ایوانوونا جس حالت میں بھی ہے فوراً آئے اور تنہا آئے۔ اب کوئی چارہ نہیں تھا۔ آننا ولاسئیونا نے اسے ضروری ہدایتیں اور دعائیں دیں۔ اور ماریا ایوانوونا گاڑی میں بیٹھ کر محل کی طرف روانہ ہوئی۔

ماریا ایوانوونا سمجھ گئی کہ ہمارے مقدر کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ چند منٹ میں گاڑی محل کے سامنے پہنچ گئی۔ ماریا ایوانوونا سڑھیوں پر چڑھی تو اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں، اس کیلئے دروازے کھول دئے گئے۔ وہ سجے سجائے کمروں کی لمبی قطار سے گزری جو خالی پڑے تھے۔ ملازم راستہ دکھا رہا تھا۔ آخر ایک بند دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے کہا کہ وہ اندر جاکر ماریا ایوانوونا کی آمد کی اطلاع کرے گا اور اسے چھوڑ کر چلا گیا۔

ملکہ سے منہ در منہ بات کرنے کے خیال ہی سے ماریا ایوانوونا اتنی وحشت زدہ ہو رہی تھی کہ اس کی ٹانگیں لڑ کھڑا رہی تھیں۔ چند لمحے بعد دروازہ کھلا اور وہ ملکہ کی خلوت‌گاہ میں داخل ہو گئی۔

ملکہ سنگار میز کے سامنے بیٹھی تھیں۔ ان کے اردگرد چند درباری موجود تھے جنھوں نے نہایت احترام کے ساتھ ماریا ایوانوونا کو راستہ دیا۔ ملکہ نے بہت محبت و شفقت سے اس سے بات کی۔ تب ماریا ایوانوونا نے پہچانا کہ یہ وہی خاتون تھیں جن سے اسنے کچھ دیر پہلے اتنی بےتکلفی سے بات کی تھی۔ ملکہ نے اسے قریب بلایا اور مسکرا کر کہا «مجھے خوشی ہے کہ میں اپنے وعدے پر قائم رہی اور میں نے تمہاری درخواست منظور کر لی۔ تمہارے معاملے کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا منگیتر بےگناہ ہے۔ مہربانی سے یہ خط اپنے ہونے والے خسر تک پہنچا دینا۔»

ماریا ایوانوونا نے کانپتے ہاتھوں سے خط لے لیا اور روتی ہوئی ملکہ کے قدموں پر گر پڑی۔ ملکہ نے اسے اٹھا کر پیار کیا اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔ «میں جانتی ہوں تم بہت امیر نہیں ہو» انہوں نے کہا۔ «میں جانتی ہوں کہ مجھ پر کپتان میرونوف کی بیٹی کا بہت کچھ قرض ہے۔ اپنے مستقبل کے بارے میں بالکل فکر نہ کرو۔ میں تمہاری زندگی کو خوشگوار بنانے کی ذمہ‌داری لیتی ہوں۔»

غریب یتیم کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آنے کے بعد ملکہ نے اسے رخصت کر دیا۔ ماریا ایوانوونا اسی سرکاری گاڑی میں گھر واپس گئی۔ آننا ولاسئےونا نے، جو بےتابی سے اسکی واپسی کا انتظار کر رہی تھی، اس پر سوالات کی بارش کر دی۔ماریا ایوانوونا نے کسی نہ کسی طرح اس کی باتوں کا جواب دیا۔ آننا ولاسئےونا اس کے اتنا کم یاد رکھنے پر حیران تو بہت ہوئی، لیکن اس نے سوچا کہ یہ دیہاتی پن اور جھجک کی وجہ سے ہے اور اس نے ماریا ایوانوونا کو معاف کر دیا۔ ماریا ایوانوونا پیٹرسبرگ کو ایک نظر دیکھنے کے لئے بھی نہیں رکی، بلکہ اسی شام گاؤں واپس چلی گئی... (۲۳)

* * *

پیوتر اندرےیوچ گرنیوف کی کہانی یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ خاندانی روایات کے مطابق وہ ملکہ کے حکم پر ۱۷۷۴ء کے اواخر میں قید سے آزاد کر دیا گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ پوگاچیوف کو سزا دئے جانے کے وقت وہاں موجود تھا۔ پوگاچیوف نے مجمع میں اسکو پہچان لیا، اور اپنا سر جھکا کر اشارے سے سلام کیا، وہی سر جو پل بھر بعد بےجان اور خون آلود ہو گیا اور جو لوگوں کو دکھانے کے لئے ہوا میں اچھال دیا گیا۔ اس کے کچھ ہی دن بعد پیوتر اندرےیوچ نے ماریا ایوانوونا سے شادی کر لی۔ ان کی اولاد بنیاد آج بھی سمبرسک صوبہ میں آباد ہے۔ «س» سے تیس میل کے فاصلے

پر ایک جاگیر ہے جس کے دس حصے دار ہیں۔ ایک دیہاتی حویلی کے ایک کمرے میں کیتھرین دوئیم کے ہاتھہ کا لکھا ہوا ایک خط فریم میں جڑا ہوا لٹک رہا ہے۔ یہ خط پیوتر اندریےیوچ کے باپ کے نام ہے۔ اس میں ان کے بیٹے کی بے گناھی کی تصدیق کی گئی ہے اور کپتان میرونوف کی بیٹی کی ہمت اور ذھانت کی تعریفیں ہیں۔ پیوتر اندریےیوچ گرنیوف کا مسودہ ھمیں ان کے ایک پوتے نے دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہم اسی تاریخی دور پر کام کر رہے ہیں جو اس کے دادا کی یاد داشت میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے ان کے عزیزوں کی اجازت سے ہر باب کے ساتھہ مناسب کہاوتیں وغیرہ لکھہ کر اور چند نام بدل کر اس مسودے کو علیحدہ کتاب کی حیثیت سے چھاپنے کا فیصلہ کیا ہے۔

پبلشر

۱۹ اکتوبر ۱۸۳۶ء
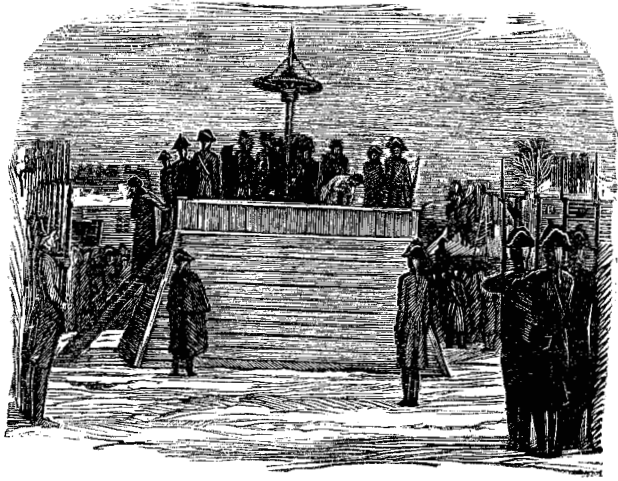
ضمیمہ

حذف شدہ باب *

ہم والگا کے قریب پہنچ رہے تھے، ہمارا دستہ۔۔۔ گاؤں میں داخل ہوا، اور رات کے لئے ہم نے پڑاؤ ڈال دئے۔ گاؤں کے مکھیا نے مجھے بتایا کہ اس پار کے تمام گاؤں باغی ہو گئے ہیں، اور پوگاچیوف کے جتھے ہر طرف گھوم رہے ہیں۔ یہ خبر سن کر میں بہت پریشان ہوا۔ ہمیں اگلے ہی دن صبح سویرے دریا پار کرنا تھا۔ میں بہت بےچین ہو گیا۔ میرے ابا کی جاگیر دریا کے اس پار تقریباً تیس میل کے فاصلے پر تھی۔ میں نے پوچھا کہ کیا کوئی مل جائےگا جو مجھے دریا پار لیجائے۔ تمام کسان ماہی‌گیر تھے، اور گاؤں میں بہت سی کشتیاں تھیں۔ میں گرنیوف کے پاس گیا اور اسے اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

---

* اس باب میں، جو «کپتان کی بیٹی» کے آخری مسودے میں شامل نہیں ہے، پشکن نے گرنیوف کو بولانین اور زورین کو گرنیوف لکھا ہے۔

«ذرا دیکھہ بھال کے» اس نے مجھے آگاہ کیا ـ «تنہا نہ جاؤ، اس میں سراسر خطرہ ہے ـ صبح تک ٹھیرو ـ ہم سب سے پہلے دریا پار جائیں گے اور ضرورت پڑتے ہی پچاس ہوسار لے کر تمہارے والدین کے پاس پہنچ جائیں گے ـ»

مگر میں جانے پر مصر رہا ـ کشتی تیار تھی ـ میں دو ملاحوں کے ساتھہ اس میں سوار ہو گیا ـ انہوں نے کشتی کو دھکیلا اور پورے جوش و خروش سے چپو چلانے شروع کر دئے ـ

آسمان صاف تھا اور چاند چمک رہا تھا ـ رات خاموش تھی ـ والگا بہت پر سکون اور ہموار نظر آ رہا تھا ـ کشتی نہایت آہنگ کے ساتھہ ڈگمگاتی ہوئی پانی کی تاریک سطح پر تیر رہی تھی ـ مجھے طرح طرح کے وہموں نے گھیر رکھا تھا ـ

تقریباً آدھا گھنٹہ گزر گیا ـ ہم دریا کے بیچوں بیچ پہنچ گئے ـ اچانک ملاحوں نے کھسر پھسر شروع کر دی ـ

«کیا بات ہے؟» میں نے چونک کر پوچھا ـ

«خدا جانے کیا ہے، ہمیں تو معلوم نہیں» انہوں نے جواب دیا ـ دونوں ایک خاص سمت میں دیکھہ رہے تھے ـ

میری آنکھوں نے ان کی نظروں کا تعاقب کیا، دھندلکے میں میں نے دیکھا کہ کوئی چیز دریا کے بہاؤ کے ساتھہ ساتھہ بہہ رہی ہے ـ ایک پراسرار چیز ہماری طرف بڑھہ رہی تھی ـ میں نے ملاحوں سے کہا کہ چپو چلانے بند کر دیں اور اس کے قریب آنے کا انتظار کریں ـ

چاند بادلوں کے پیچھے چھپ گیا ـ وہ تیرتی ہوئی خیالی سی چیز اور بھی تاریک ہو گئی ـ حالانکہ اب وہ کافی قریب آ گئی تھی لیکن میری سمجھہ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہے کیا بلا ـ

«کیا ہے یہ؟» ملاحوں نے کہا ـ «نہ تو یہ بادبان ہے نہ مستول...»

اچانک بادلوں کے پیچھے سے چاند نکل آیا ـ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک خوفناک منظر تھا ـ ہماری طرف لکڑیوں کا ایک بیڑا بہہ رہا تھا جس پر پھانسی کا تختہ لگا ہوا تھا ـ تین آدمی پھانسی پر لٹکے ہوئے تھے ـ مجھے ایک بیمار سے تجسس نے گھیر لیا ـ میں نے سوچا کہ مجھے ضرور ان پھانسی یافتہ لوگوں کی صورت دیکھنی چاہئے ـ

میرے حکم پر ملاحوں نے بیڑے کو کانٹےدار ڈنڈے میں پھنسا لیا ـ اور میری کشتی تیرتی ہوئی پھانسی سے ٹکرا گئی ـ میں خوفناک پھانسی کے بیچ میں کھڑا تھا ـ پورے چاند میں ان بدنصیبوں کے زخمی چہرے نمایاں ہو گئے ـ ان میں سے، ایک بوڑھا چوواش تھا، دوسرا تقریباً بیس سال کا ایک لمبا تڑنگا اور مضبوط روسی کسان ـ لیکن جب تیسری لاش پر میری نظر پڑی تو مجھے سخت دھکا پہنچا، اور میری چیخ نکل گئی: یہ تو وانیا تھا، میرا غریب وانیا، وہ نجانے کس حماقت میں پوگاچیوف سے مل گیا تھا ـ ان کے سروں کے اوپر سیاہ لکڑی کا تختہ جڑا ہوا تھا، جس پر بڑے بڑے سفید حروف میں لکھا

تھا: «چور اور باغی» — ملاح لکڑیوں کے بیڑے کو کانٹےدار
ڈنڈے میں اٹکائے ہوئے بےتعلقی سے میرا انتظار کر رہے تھے —
میں کشتی میں سوار ہو گیا — لکڑیوں کا بیڑا پانی کے بہاؤ
پر بہنے لگا — بڑی دیر تک دھندلکے میں سیاہ پھانسی نظر آتی
رہی — آخر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی اور میری کشتی
ڈھلوان کنارے پر پہنچ گئی —

میں نے فراخدلی سے ملاحوں کو انعام دیا — اور ان میں
سے ایک نے مجھے کشتی کے قریب والے گاؤں کے باغی مکھیا
کے پاس لیجانے کی ذمہ‌داری لی — میں اس کے پیچھے پیچھے
ایک جھونپڑی میں داخل ہوا — جب مکھیا نے سنا کہ مجھے
گھوڑے چاہئیں تو اس نے کافی بدتمیزی سے بات کرنے کی
ٹھانی، مگر ملاح نے دھیرے سے اس سے کچھ کہا — فوراً اس
کی سختی رفو چکر ہو گئی، وہ انتہائی خوشامد کرنے لگا —
پل بھر میں تین گھوڑوں والی گاڑی تیار ہو گئی — میں
گاڑی میں سوار ہوا اور کوچوان سے اپنے باپ کے گاؤں چلنے
کو کہا —

گھوڑے شاہراہ پر دوڑنے لگے، سارے گاؤں میں سوتا پڑا
ہوا تھا — مجھے صرف یہ ڈر تھا کہ کہیں میں سڑک ہی پر نہ
روک لیا جاؤں — والگا میں رات جس چیز سے مجھے سابقہ
پڑا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ یہاں باغی موجود تھے، مگر
ساتھ ہی حکام کی طرف سے سختی کا ثبوت بھی ملتا تھا —
ضرورت پڑنے پر میرے پاس پوگاچیوف کا دیا ہوا پروانہ سفر

بھی موجود تھا اور کرنل گرنیوف کا احکام‌نامہ بھی — مگر مجھے
راستے میں کوئی نہیں ملا — صبح ہوتے ہوتے مجھے دریا اور
فر کے درختوں کی قطار نظر آئی جس کے عقب میں ہمارا
گاؤں پھیلا ہوا تھا — کوچوان نے گھوڑوں کو چابک رسید
کیا اور پندرہ منٹ بعد ہماری گاڑی ——— گاؤں میں دوڑ
رہی تھی —

ہمارا مکان گاؤں کے دوسرے سرے پر تھا — گھوڑے
سرپٹ دوڑ رہے تھے — اچانک کوچوان نے بیچ سڑک پر لگام
کھینچ لی — «کیا بات ہے؟» میں نے بےصبری سے پوچھا —

«آگے روک ہے جناب» کوچوان نے بمشکل دوڑتے ہوئے
گھوڑوں کو یوں ایکدم روکتے ہوئے کہا —

واقعی وہاں روک لگا دی گئی تھی اور اس کے سامنے
ایک کسان اپنے کندھے پر بھالا سنبھالے پہرہ دے رہا تھا —
وہ میرے پاس آیا — اس نے اپنی ٹوپی اتارتے ہوئے میرا پروانۂ
سفر مانگا —

«اسکے کیا معنی؟» میں نے پوچھا — «یہ روک کیوں لگائی
گئی ہے؟ تم کس کا پہرہ دے رہے ہو؟»

«کیوں جناب ہم نے بغاوت کر دی ہے» اس نے سر کھجاتے
ہوئے جواب دیا —

«اور تمہارے مالک کہاں ہیں؟» میں نے پوچھا، میرا دل
ڈوب رہا تھا —

«ہمارے مالک؟» اس نے دوہرایا — «ہمارے مالک کھلیان
میں ہیں —»

«کھلیان میں؟»

«ہاں ہاں اندریوشکا نے انہیں ہتکڑیاں پہنا دی ہیں – جناب وہ انہیں زار کے سامنے حاضر کرنا چاہتا ہے –»

«اف خدایا! ہٹاؤ یہ روک، بےوقوف! کھڑے منہ کیا دیکھہ رہے ہو!»

پہرے دار ہچکچایا – میں گاڑی سے کود پڑا اور اسکے (معاف کیجئےگا) کان پر ایک گھونسہ جمایا اور خود روک ہٹائی – وہ شخص حیران و پریشان کھڑا مجھے گھور رہا تھا – میں پھر گاڑی میں سوار ہوا اور کوچوان کو بڑے مکان کی طرف دوڑنے کا حکم دیا – کھلیان احاطے کے بیچوں بیچ تھا – اسی طرح بھالوں سے مسلح، دو کسان اسکے مقفل دروازے کے سامنے پہرہ دے رہے تھے – گاڑی ٹھیک ان کے سامنے جاکر رکی – میں کود پڑا اور سیدھا ان کی طرف بڑھا –

«دروازہ کھولو» میں نے حکم دیا –

میرے سراپا میں ایسی کوئی بات تھی کہ خوف آئے – بہرحال جو بھی ہو دونوں کسانوں نے بھالے پھینک دئے اور خود بھاگ کھڑے ہوئے – میں نے قفل کو کواڑوں سے مار مار کر توڑنے کی اور پھر دروازہ توڑنے کی کوشش کی مگر کواڑ بلوط کے تھے اور قفل بھی بہت مضبوط نکلا – اسی لمحے ایک لمبا سا کم عمر کسان جھونپڑی سے نکلا اور اس نے نہایت بدتمیزی سے مجھہ سے پوچھا کہ اس گڑبڑ کا کیا مطلب ہے؟

«اندریوشکا کہاں ہے؟» میں چیخا – «اسے میرے پاس بلاؤ –»

«میں اندریوشا نہیں ہوں، اندری افاناسیےوچ ہوں» اس نے ہاتھہ کمر پر رکھہ کر ترکی بہ ترکی جواب دیا – «کہو کیا بات ہے؟»

اس کے جواب میں میں نے اسے گریبان سے پکڑ لیا – اور اسے کھینچتا ہوا کھلیان کے دروازے تک لایا اور اسے دروازہ کھولنے کا حکم دیا – تھوڑی دیر تک تو وہ اڑا رہا، مگر اس پر بھی اس بزرگانہ سرزنش کا اثر ہوا – اس نے کنجی نکالی اور کھلیان کے دروازے کا قفل کھول دیا – میں چوکھٹ پھلانگ کر بےتحاشہ اندر بھاگا – کھلیان کی چھت کے ایک تنگ سے سوراخ سے آتی ہوئی مدھم روشنی میں میں نے دیکھا کہ میرے ماں باپ ایک کونے میں بیٹھے ہیں – ان کے ہاتھہ بندھے ہوئے تھے اور ٹخنوں میں لکڑی کی بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں – میں نے انتہائی جوش سے انہیں پیار کیا – میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا – وہ حیرت سے مجھے دیکھہ رہے تھے —فوجی زندگی کے تین سالوں نے مجھے اتنا بدل دیا تھا کہ مجھے پہچان نہیں سکے – میری اماں کا سانس پھول رہا تھا، وہ پھوٹ کر رو دیں –

اچانک میں نے اپنے پیچھے سے جانی پہچانی آواز، اپنی عزیز ترین آواز سنی «پیوتر اندریےیچ! یہ تم ہو؟»میں نے پلٹ کر دیکھا... دوسرے کونے میں ماریا ایوانوونا بیٹھی تھی، اسکے ہاتھہ پاؤں بھی بندھے ہوئے تھے اور وہ بھی بیڑیاں پہنے ہوئے تھی –

میرے ابا نے خاموشی سے میری طرف دیکھا۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ان کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ میں نے اپنی تلوار سے تیزی سے اس رسی کو کاٹ پھینکا جس میں وہ بندھے ہوئے تھے۔

«خوش رہو، جیتے رہو پیتروشا» میرے باپ نے مجھے گلے لگاتے ہوئے کہا «خدا کا شکر ہے ہم تمہیں دیکھنے کو زندہ رہے...»

«پیتروشا میرے پیارے!» میری اماں نے کہا۔ «تم تو فرشتہ رحمت بن‌کر یہاں آگئے۔ تم اچھے تو ہو؟»

میں نے تیزی سے انہیں قید سے باہر نکالنا چاہا۔ لیکن جب میں دروازے پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ پھر مقفل ہے۔

«اندریوشا!» میں چیخا «دروازہ کھولو!»

«نہیں کھولوں گا!» اس نے کواڑوں کے پیچھے سے کہا۔ «تم بھی یہیں ٹھیرو۔ میں تمہیں گڑبڑ کرنے اور زار کے افسر کا گریبان پکڑ کر کھینچنے کا مزہ چکھاؤں گا!»

میں نے کھلیان کا جائزہ لیا کہ بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ ہے یا نہیں۔

«بیکار ہے» میرے باپ نے کہا۔ «میرے کھلیان میں چوروں کے گھسنے اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔»

میرے آنے سے میری اماں کی ذرا جان میں جان آئی تھی، مگر اب اس خیال سے وہ اور بھی نڈھال ہو گئیں کہ مجھے

بھی خاندان والوں کے ساتھ مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر میں جب سے اپنے ماں باپ اور ماریا ایوانوونا کے پاس پہنچا تھا مجھے سکون ہو گیا تھا۔ میرے پاس ایک تلوار اور دو پستول تھے۔ میں محاصرے کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے یقین تھا کہ رات سے پہلے پہلے گرنیوف یہاں پہنچ جائے گا اور ہمیں آزاد کرا لے گا۔ میں نے اپنے ماں باپ کو بھی بتایا اور اپنی اماں کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ وہ ہماری ملاقات کی خوشی میں کھو گئے۔

«ہوں پیوتر» میرے ابا نے کہا۔ «تم نے کافی حماقتیں کیں، اور میں تم سے بہت خفا تھا، مگر ہم گزرے دنوں کا ذکر نہیں کریں گے۔ مجھے امید ہے اب تم سنبھل گئے ہوں گے اور تم بچپن کی حماقتوں سے نکل آئے ہوں گے۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے ایک باعزت افسر کی طرح ملکہ کی خدمت کی ہے۔ شکریہ پیوتر! تم نے اس ضعیفی میں میری لاج رکھ لی۔ اگر میں تمہارے ہاتھوں رہا ہوا تو زندگی دوگنی خوشگوار ہو جائے گی۔»

میں نے لبریز آنکھوں سے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور ماریا ایوانوونا کی طرف دیکھا جو میرے آنے سے اتنی خوش تھی کہ بالکل مطمئن اور خوش نظر آ رہی تھی۔

دوپہر کے قریب ہمیں غیرمعمولی شور اور چیخ پکار سنائی دی۔

«یہ کیا ہو سکتا ہے؟» میرے ابا نے کہا۔ «کیا تمہارا کرنل پہنچ گیا؟»

«ناممکن» میں نے انہیں بتایا۔ «وہ رات سے پہلے یہاں نہیں پہنچ سکتا۔»

شور و غل بڑھ گیا۔ خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ احاطے میں گھوڑے سواروں کے دوڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اور اس وقت دیوار کے ایک ننھے سے سوراخ میں ساویلچ کا سفید سر نظر آیا۔ میرا بدقسمت اتالیق دردناک آواز میں چلایا:

«اندری پیترووچ! اودوتیا وسیلئےونا! پیوتر اندرےیچ، جناب! ماریا ایوانوونا! بہت بری خبر ہے! بدمعاش گاؤں میں گھس آئے۔ پیوتر اندریوچ، جانتے ہو ان کا سردار کون ہے؟ شوابرن الکسی ایوانووچ، خدا اسے غارت کرے!»

یہ نفرت خیز نام سن کر ماریا ایوانوونا نے اپنے ہاتھ تھام لئے اور کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

«بات سنو ساویلچ!» میں چلایا۔ «فوراً کسی کو گھوڑے پر کشتی تک بھیجو تاکہ وہ ہوسار دستے کے پاس پہنچ کر فوراً ان کے کرنل کو ہماری مصیبت کی اطلاع دے۔»

«مگر میں کسے بھیجوں جناب؟ تمام چھوکرے باغیوں سے مل گئے ہیں۔ اور تمام گھوڑوں پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ اف خدا! ہائے وہ احاطے میں پہنچ گئے۔ ہائے وہ کھلیان کی طرف آ رہے ہیں۔»

ٹھیک دروازے کے باہر بہت سی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے اپنی اماں اور ماریا ایوانوونا کو کونے میں رہنے کا اشارہ کیا اور تلوار کھینچ کر دروازے کے قریب دیوار سے

ٹیک لگاکر کھڑا ہو گیا۔ میرے ابا نے پستول سنبھال لئے، ان دونوں کا گھوڑا چڑھایا اوو میرے پہلو میں کھڑے ہو گئے۔ تالا کھڑ کھڑایا، دروازہ کھلا اور اندریوشکا کا سر نظر آیا۔ میں نے اپنی تلوار سے اس پر وار کیا اور وہ اس طرح زمین پر گرا کہ راستہ بند ہو گیا۔ اسی وقت میرے ابا نے کھلے ہوئے دروازے سے ایک پستول داغ دی۔ محاصرین کا مجمع کوستا پیٹتا بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے زخمی کو چوکھٹ سے گھسیٹا اور دروازہ اندر سے بندکر لیا۔

احاطے میں مسلح لوگ بھرے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان میں نے شوابرن کو پہچانا۔

«ڈرو نہیں» میں نے عورتوں سے کہا۔ «ابھی امید کی کرن باقی ہے۔ اور جناب، آپ اب گولی نہ چلائیے۔ ہمیں آخری گولیاں بچانی چاہئیں۔»

میری اماں خاموشی سے دعائیں مانگ رہی تھیں۔ ماریا ایوانوونا ان کے پہلو میں بیٹھی ہوئی ولی پیغمبروں کی طرح سکون سے ہماری قسمت کے فیصلے کا انتظار کر رہی تھی۔ باہر سے دھمکیوں اور گالی کوسنوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں اپنی جگہ کھڑا تھا کہ اگر کوئی قریب آنے کی جرائت کرے تو اس کی بوٹی بوٹی نوچ لوں۔ اچانک بدمعاشوں کا شور و غل ختم ہو گیا۔ شوابرن کی آواز آئی، وہ مجھے نام لیکر پکار رہا تھا۔

«میں سن رہا ہوں، کہو کیا کہتے ہو؟»

«هتهیار ڈال دو بولانین۔ مقابله کرنے سے کوئی فائده نهیں۔ اپنے بوڑھے ماں باپ کی حالت پر رحم کرو! تمهاری هٹ دهری تمهیں بچا نه سکےگی۔ میں تم سے سمجهوں گا۔»

«قریب آکے دیکهه غدار!»

«میں ایسی حماقت نهیں کروں گا که خود اندر آنے کی کوشش کروں یا اپنے آدمیوں کی زندگی خطرے میں ڈالوں۔ میں کهلیان میں آگ لگا دوں گا۔ پهر دیکهیں گے تم کیا کر لوگے بیلوگورسک کے ڈان کوئسٹو! اب کهانے کا وقت هے۔ ابهی یهیں ٹهیرو اور اطمینان سے سوچ سمجهه لو۔ خدا حافظ ماریا ایوانوونا۔ میں تم سے معافی نهیں مانگتا، اندهیرے میں اپنے سورما نائیٹ کے پهلو میں بیٹهی هو، اس لئے میرے خیال میں تمهیں کوئی تکلیف، کوئی پریشانی نهیں هو رهی هوگی!»

شوابرن کهلیان کے دروازے پر سنتریوں کو چهوڑ کر چلا گیا۔ هم سب خاموش تهے۔ سب اپنے اپنے خیالات میں کهوئے هوئے تهے۔ هم میں سے کسی کی همت نهیں تهی که اپنے دل کی بات دوسرے کو بتا سکیں۔ میں دل هی دل میں سوچ رها تها که شوابرن انتقام کی آگ میں کیا کچهه نه کر بیٹهےگا۔ مجهے اپنی کوئی پرواه نهیں تهی! اور سچ تو یه هے که مجهے اپنے ماں باپ سے بهی زیاده ماریا ایوانوونا کی فکر تهی۔ میں جانتا تها که کسان اور همارے ملازم میری اماں پر جان دیتے هیں۔ میرے ابا کی سختی کے باوجود ان سے بهی کسان محبت کرتے تهے، کیونکه وه انصاف پسند تهے اور اپنے ما تحت لوگوں

کی ضرورت کا خیال کرتے تهے۔ ان کی بغاوت کسی قسم کی خفگی یا ناراضگی کا اظهار نهیں تهی بلکه ایک وقتی جوش، ایک دهوکه تهی۔ اس لئے ان کے سلسلے میں رحم دلی کا یقین تها۔ مگر ماریا ایوانوونا؟ یه آواره اور بے ایمان شخص اس کا کیا حشر کرےگا؟ میں اس مکروه خیال کو سوچ بهی نهیں سکتا تها۔ اور میں اس کے لئے تیار تها (خدا مجهے معاف کرے!) که اسی سے پهلے که وه دوباره اس ظالم دشمن کے پنجے میں پهنسے، میں اسے خود اپنے هاتهوں سے مار دوں۔

ایک گهنٹه بیت گیا۔ گاؤں سے بدمستوں کے گانے بجانے کی آوازیں آ رهی تهیں۔ همارے سنتریوں کو ان مستانوں پر رشک آ رها تها، اور جهنجهلاهٹ میں وه همیں گالیاں دینے اور اذیت اور موت کی بات کرکے دهمکانے لگے۔

هم انتظار کر رهے تهے که دیکهیں کب شوابرن اس دهمکی پر عمل کرتا هے۔ اور آخر احاطے میں انتهائی هل چل مچی اور پهر شوابرن کی آواز آئی۔

«کهو سوچ لیا تم نے؟ کیا تم خوشی خوشی میرے سامنے هتهیار ڈالنے کو تیار هو؟»

کسی نے جواب نهیں دیا۔ چند لمحے کی خاموشی کے بعد شوابرن نے گهانس پهونس لانے کا حکم دیا۔ چند منٹ میں اندهیرے کهلیان میں شعلے بهڑک اٹهے۔ اور دروازے کے اندر سے دهواں بهرنے لگا۔ ماریا ایوانوونا میرے پاس آئی اور اس نے میرا هاتهه هاتهه میں لےکر آهسته سے کها۔

«آؤ پیوتر اندرےیچ! تم اور تمہارے ماں باپ میری وجہ سے کیوں تباہ ہوں؟ مجھے جانے دو۔ شوابرن میری بات ضرور مانے گا۔»

«ہرگز نہیں!» میں تیزی سے چیخا «جانتی ہو تمہارا کیا حشر ہوگا؟»

«میں بےعزتی برداشت نہیں کروں گی» اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ «لیکن شاید میں خود کو نجات دلانے والے کو اور اس کے خاندان کو بچا سکوں جنہوں نے اتنی محبت سے مجھ غریب یتیم کو پناہ دی۔ خداحافظ اندری پیتروو چ! خداحافظ اودوتیا وسیلیونا! آپ صرف میری محسن ہی نہیں ہیں، مجھے دعا دیجئے۔ خداحافظ پیوتر اندرےیچ۔ یقین رکھو کہ... کہ...»

وہ اپنے ہاتھوں میں منہ چھپاکر رونے لگی۔ میں اپنے حواس میں نہیں تھا۔ میری اماں بھی رو رہی تھیں۔

«ماریا ایوانوونا بند کرو اس بکواس کو» میرے ابا نے کہا۔ «خوب ہم نے ضرور تمہیں بدمعاشوں کے پاس اکیلے جانے دیا! ادھر بیٹھو اور اب ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ اگر ہمیں مرنا ہی ہے تو سب ساتھ مریں گے۔»

«خاموش، سنو وہ کیا کہہ رہے ہیں؟»

«تم ہتھیار ڈالوگے یا نہیں؟» شوابرن چلایا۔ «دیکھو! پانچ منٹ کے اندر اندر تم زندہ جل جاؤگے۔»

«ہم ہرگز ہتھیار نہیں ڈالیں گے بدمعاش!» میرے ابا نے استقلال سے جواب دیا۔

ان کے جھریوں بھرے چہرے سے غیرمعمولی ہمت اور جوش ٹپک رہا تھا۔ ان کی سفید بھوؤں سے ڈھکی ہوئی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ میری طرف مڑتے ہوئے انہوں نے کہا «اب وقت ہے!»

انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ شعلے اندر لپکے اور بلند ہوکر شہتیر کو چھونے لگے جس کی دراڑوں میں سوکھی ہوئی گھاس بھری ہوئی تھی۔ میرے ابا نے پستول چلائی اور جلتی ہوئی چوکھٹ سے پھلانگ کر چلائے: «تم سب میرے پیچھے پیچھے آؤ!» میں نے اپنی اماں اور ماریا ایوانوونا کا ہاتھ پکڑ لیا اور تیزی سے انہیں باہر نکال لایا۔ شوابرن چوکھٹ کے باہر پڑا تھا۔ وہ میرے ابا کے کمزور ہاتھوں کا نشانہ بن گیا تھا۔ بدمعاشوں کے جھنڈ نے، جو ہمارے غیرمتوقع حملے پر بھاگ گیا تھا پھر ہمت کی اور ہمیں گھیرنے لگے۔ میں نے جم کر حملہ شروع کیا ہی تھا کہ کسی نے تاک کر میرے سینے پر اینٹ ماری۔ میں زمین پر گر گیا اور کئی منٹ تک بےہوش پڑا رہا۔ جب میں ہوش میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ شوابرن خون آلود گھاس پر بیٹھا ہے اور ہمارا پورا خاندان اس کے سامنے کھڑا ہے۔ مجھے دونوں طرف سے سہارا دےکر کھڑا کیا گیا تھا۔ کسانوں، قضاقوں اور بشکیریوں کا مجمع ہمیں گھیرے ہوئے تھا۔ شوابرن مردے کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنا زخمی پہلو تھام رکھا تھا۔ اس کے چہرے سے غصے اور تکلیف کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے

آہستے سے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور کمزور آواز میں کہا:

«اسے پھانسی دے دو! ان سب کو... سوائے لڑکی کے...»

بدمعاشوں نے ہمیں اور زیادہ گھیر لیا۔ وہ چیختے ہوئے ہمیں پھاٹک کی طرف کھینچ رہے تھے۔ مگر اچانک انہوں نے ہمیں چھوڑ دیا اور سر پر پاؤں رکھکر بھاگے۔ پھاٹک سے گرنیوف داخل ہو رہا تھا۔ گھوڑے سواروں کا پورا دستہ ہاتھہ میں ننگی تلواریں لئے اس کے پیچھے تھا۔

باغی جدھر منہ اٹھا بھاگ کھڑے ہوئے، ہوسار ان کا پیچھا کر رہے تھے، انہیں مار مارکر گرا رہے تھے اور گرفتار کر رہے تھے۔ گرنیوف گھوڑے سے کود پڑا۔ اس نے بہت احترام سے میرے ماں باپ کو سلام کیا اور گرم جوشی سے میرا ہاتھہ تھام لیا۔

«او ہو میں بالکل وقت پے پہنچا» اس نے کہا۔ «تو یہ ہے تمہاری منگیتر!»

ماریا ایوانوونا کا منہ لال ہو گیا۔ میرے ابا جو ظاہر ہے انتہائی متاثر تھے مگر بظاہر بالکل پرسکون نظر آ رہے تھے، اس کے پاس پہنچے اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ میری اماں نے اسے نجات کا فرشتہ کہکر گلے سے لگا لیا۔

«آؤ ہمارے گھر میں آؤ» میرے ابا نے اپنے گھر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

شوابرن کے قریب پہنچ کر گرنیوف ٹھیر گیا۔

«یہ کون ہے؟» اس نے زخمی کی طرف دیکھہ کر پوچھا۔

«سرغنہ یہی ہے، جتھے کا سردار» میرے ابا نے بوڑھے سپاہیوں کے انداز میں فخریہ جواب دیا۔ «خدا نے میرے کمزور ہاتھوں کو قوت بخشی کہ میں اس بدمعاش نوجوان کو سزا دے سکوں اور اپنے بیٹے کے خون کا بدلہ لے سکوں۔»

«شوابرن ہے» میں نے گرنیوف کو بتایا۔

«شوابرن! اسے دیکھہکر بہت خوشی ہوئی! ہوساروں اسے اٹھا لو، اور ہمارے دستے کے سرجن سے کہدو کہ اسکے زخم کی مرہم پٹی کرے اور اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھہ کر اسکی دیکھہ بھال کرے۔ شوابرن کو کسی بھی قیمت پر کازان کے خفیہ کمیشن کے سامنے حاضر کرنا ضروری ہے۔ یہ تو بہت بڑا گرگا ہے، اسکی گواہی کی بڑی قیمت ہے۔»

شوابرن نے تھکے تھکے انداز سے آنکھیں کھولیں، اسکے چہرے سے درد کے علاوہ اور کسی چیز کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ ہوسار اسے کپڑے پر ڈال کر لے گئے۔

ہم گھر میں پہنچے۔ مجھے اپنا بچپن یاد آ گیا، میں نے انتہائی متاثر ہوکر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ گھر کی کوئی چیز نہیں بدلی تھی، ہر چیز جوں کی توں تھی۔ شوابرن نے گھر لوٹنے کی اجازت نہیں دی تھی۔۔اگرچہ وہ انتہائی پستی میں گر چکا تھا مگر شاید ابھی اسکے دل میں اس گھٹیا لوٹ مار کی نفرت باقی تھی۔

ملازم هال میں آئے۔ انہوں نے بغاوت میں کوئی حصه نہیں لیا تھا اور انہیں هماری رهائی سے بہت خوشی اور دلی اطمینان هوا۔ ساویلچ کا سر فخر سے بلند هو رها تھا۔ هاں میں یه بتانا تو بھول هی گیا که باغیوں کی بغاوت کی هل چل سے فائده اٹھاکر وہ اس اصطبل کی طرف بھاگا جہاں شوابرن کا گھوڑا کھڑا تھا، اس پر زین کسی، آهسته سے اسے باهر نکالا اور گڑبڑ سے فائده اٹھاکر نظر بچاکر سرپٹ کشتی کی طرف دوڑا۔ وهاں اسے فوجی دسته ملا جس نے ابھی والگا پار کیا تھا اور اب کنارے پر آرام کر رها تھا۔ جب گرنیوف نے ساویلچ سے هماری مصیبت کی داستان سنی تو اسنے سوار هونے اور سرپٹ گھوڑے دوڑا دینے کا حکم دیا۔ اور خدا کا شکر هے که وہ وقت پر پہنچ گئے۔

گرنیوف کا اصرار تھا که چند گھنٹے کے لئے اندریوشکا کے سر کو شراب خانے کے قریب بھالے پر ٹانگ دیا جائے۔

هوسار پیچھا کر کے اور چند لوگوں کو گرفتار کرکے واپس آگئے۔ ان لوگوں کو اسی کھلیان میں بند کر دیا گیا جہاں هم نے اس ناقابل فراموش محاصرے کا سامنا کیا تھا۔

هم سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ بڑے آدمیوں کو آرام کرنیکی ضرورت تھی۔ پچھلی رات میں نے پلک بھی نہیں جھپکائی تھی، میں اپنے بستر پر دراز هوکر بےخبر سو گیا۔ گرنیوف احکامات دینے چلا گیا۔

شام کو هم سب پھر بیٹھنے کے کمرے میں چائے کے ساوار کے گرد اکٹھے هوئے اور اس خطرے کے متعلق خوش گپیوں

میں مصروف هو گئے جس سے هم بال بال بچے تھے۔ ماریا ایوانوونا نے سب کے لئے چائے بنائی۔ میں اس کے برابر بیٹھا صرف اسی سے باتیں کرتا رها۔ میرے ماں باپ هماری محبت کو دیکھه کر خاصے خوش تھے۔ وہ شام آج تک مجھے یاد هے۔ میں خوش تھا، انتہائی خوش، انسان کی چند روزه زندگی میں ایسے لمحے باربار نہیں آتے۔

اگلے دن میرے باپ کو اطلاع ملی که سب کسان معافی مانگنے کے لئے گھر کے سامنے جمع هوئے هیں۔ وہ ان سے بات کرنے باهر برساتی میں گئے۔ انہیں دیکھهکر وہ سب دوزانو هو گئے۔

«کیوں گدھوں» انہوں نے کہا۔ «تمہارے سر میں بغاوت کرنے کا سودا کیوں سمایا تھا؟»

«هم سے غلطی هوئی، همیں معاف کر دو مالک» انہوں نے هم آواز هوکر جواب دیا۔

«ظاهر هے تم نے غلطی کی۔ پہلے تو غلطیاں کرو پھر معافی مانگو۔ میں اس خوشی میں تمہیں معاف کرتا هوں که خدا نے میرے بیٹے پیوتر اندریےیچ کو دوباره مجھه سے ملا دیا۔ اچھا، اچھا۔»

«هم سے غلطی هوئی۔ هاں مالک هم نے غلطی کی۔»

«خدا کا شکر هے موسم بہت اچھا هے۔ گھاس کاٹنے اور سکھانے کا اچھا موقع هے۔ تین دن سے تم کیا کر رهے تھے گدھوں؟ مکھیا! ایک ایک آدمی کو گھاس کاٹنے کے لئے بھیجو۔

اے لال بالوں والے بدمعاش یاد رکھه سینٹ الیا کے دن تک تمام گھاس ٹال میں جمع ہو جانی چاہئے، جاؤ- دور ہو جاؤ!»

کسانوں نے جھک جھک کر سلام کیا- اور اس طرح اپنے مالک کے کھیت پر کام کرنے چلے گئے جیسے کچھه ہوا ہی نه ہو-

شوابرن کا زخم جان لیوا نہیں تھا- اسے پہرے کے ساتھه کازان بھیج دیا گیا- میں نے اپنی کھڑکی سے دیکھا که لوگوں نے اسے گاڑی میں بٹھا دیا- ہماری نظریں چار ہوئیں، اسنے سر جھکا لیا، اور میں جلدی سے کھڑکی سے ہٹ گیا- میں نہیں چاہتا تھا که یه ظاہر کروں که میں اپنے دشمن کی پسپائی اور بےعزتی دیکھه کر خوش ہو رہا ہوں-

گرنیوف کو آگے جانا تھا- حالانکه میں چند دن اپنے خاندان والوں کے سائے میں بتانا چاہتا تھا لیکن میں نے اسکے ساتھه جانے کا فیصلہ کیا- دستے کے کوچ کرنے سے ایک دن پہلے میں اپنے ماں باپ کے پاس گیا اور اس زمانے کی ریت کے مطابق ان کے سامنے دو زانو ہو گیا اور ان سے کہا که وه ماریا ایوانوونا سے میری شادی کے موقع پر ہمیں دعاؤں کی دولت سے مالامال کریں- میرے بزرگوں نے مجھے اوپر اٹھایا، ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک رہے تھے- انہوں نے اپنی رضامندی دے دی- میں ماریا ایوانوونا کو ان کے پاس لایا- اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور وه تھر تھر کانپ رہی تھی- انہوں نے ہمیں دعائیں دی- اس وقت میرے کیا جذبات

تھے، میں یه نہیں بتاؤں گا- ہر وه شخص جو اس لمحے سے دو چار ہو چکا ہے خود ہی میری حالت کو سمجھه جائے گا- اور ان لوگوں پر جو اس حسین لمحے سے دو چار نہیں ہوئے ہیں، میں رحم کھانے کے سوا کیا کر سکتا ہوں- میں تو ان سے یہی کہوں گا که سر سے پانی گزرنے سے پہلے کسی کی محبت میں گرفتار ہو جائیں اور اپنے ماں باپ سے دعا لیں-

فوجی دسته اگلے دن کوچ کرنے کو تیار تھا- گرنیوف میرے خاندان والوں سے رخصت ہوا- ہم سب کو یقین تھا که بہت جلد لڑائی ختم ہو جائےگی- مجھے امید تھی که مہینے بھر کے اندر میں شادی شده آدمی نظر آؤں گا- ماریا ایوانوونا نے سب کے سامنے مجھے بوسه دے کر رخصت کیا- میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا- ساویلچ اب پھر میرے ساتھه تھے- رجمنٹ نے کوچ کیا-

بہت دور تک میں مڑمڑ کے اپنے دیہاتی گھر کی طرف دیکھتا رہا جس سے میں دوبارہ جدا ہو رہا تھا- مجھے برے برے وہم آ رہے تھے- کوئی سرگوشیوں میں مجھه سے کہه رہا تھا که میرے برے دن ابھی ختم نہیں ہوئے- میرے دل میں کھٹکا تھا که ابھی مجھے ایک اور طوفان سے گزرنا ہے-

میں اپنے کوچ اور پوگاچیوف کی بغاوت کے خاتمے کی تفصیل نہیں لکھوں گا- ہم پوگاچوف کے لوٹے ہوئے دیہاتوں سے گزرتے رہے، حمله آوروں نے دیہات کے بدنصیب باشندوں کے پاس جو کچھه چھوڑا تھا، ہم وه بھی ان سے چھین لینے پر مجبور تھے-

لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس کی اطاعت کریں۔ کہیں کسی حکومت کا نشان تک نہیں تھا۔ جاگیردار جنگلوں میں چھپے ہوئے تھے۔ ڈاکوؤں کے جتھے دیہاتوں میں گھوم رہے تھے۔ ان دستوں کے افسر جو پوگاچیوف کو ڈھونڈنے بھیجے گئے تھے گناہ گاروں اور بےگناہوں سب کو سزائیں دے رہے تھے۔ خود پوگاچیوف استراخان بھاگ گیا تھا۔ اس علاقے کی حالت تباہ تھی جہاں یہ آگ بھڑکی تھی۔ خدا سبکو ایسی احمقانہ اور دحشیانہ روسی بغاوت سے بچائے۔ وہ لوگ جو ہمارے ملک میں ناممکن الوجود بغاوتوں اور انقلابوں کی سازشیں کرتے ہیں یا تو کم عمر ہیں اور ہمارے ملک کے لوگوں سے واقف نہیں ہیں یا نہایت سنگ دل ہیں، جن کی نظر میں کسی کی زندگی کی کوئی قیمت نہیں ہے، انہیں خود اپنی زندگی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔

جنرل میخلسون نے پوگاچیوف کا پیچھا کیا، اور وہ مسلسل پیچھے ہٹ رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اسکی مکمل پسپائی کی اطلاع ملی۔ گرنیوف کو اسکے جنرل نے اطلاع دی کہ نقلی زار پکڑا گیا، ساتھ ھی انہوں نے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ اب میں گھر جا سکونگا! مجھ پر وجدانی کیفیت طاری تھی۔ مگر مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میری خوشی پر غم کے بادل منڈلا رہے ہیں۔

تشریحی نوٹ

یہ مختصر ناول، «کپتان کی بیٹی» ۱۸۳۳ء اور ۱۸۳۶ء کے دوران میں لکھا گیا۔

پشکن نے پوگاچیف کی جو تاریخ بیان کی ہے وہ ۱۷۷۳ء۔۱۷۷۵ء کے زمانے کی روسی کسان بغاوت کے ٹھوس مطالعے پر مبنی ہے۔ اس بغاوت کی رہنمائی یمیلیان پوگاچیوف نے کی تھی۔ یہ تحقیق روسی تاریخی تحقیقات کے میدان میں اپنی قسم کی پہلی تحقیق ہے۔

سنسر کی وجہ سے جو مشکلات پیش آتی تھیں، ان کو دیکھتے ہوئے پشکن نے ادبی یادداشت کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا، اور اس لئے وہ تاریخی پیمانے پر پوگاچیوف بغاوت کی تصویر پیش نہیں کر سکا۔ لیکن «کپتان کی بیٹی» کے ہیرو گرنیوف کی «خانگی یادداشت» کی حدود کے اندر رہتے ہوئے بھی اور زار کے زمانے کے سنسر کی پابندیوں کے باوجود پشکن نے سامنت شاھی کے خلاف روسی کسانوں کی بغاوت کے رہنما کی اہم خصوصیات پیش کرنے کا ڈھنگ ڈھونڈ ھی نکالا۔

عظیم روسی ادیب گوگول نے روسی ادب میں پشکن کی دین کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس ناول میں «پہلی دفعہ صحیح معنوں میں روسی کردار پیش کئے گئے ہیں — ایک قلعے کا معمولی سا حاکم، اسکی بیوی، نوجوان لیفٹیننٹ — سیدھے سادھے عوام کی سیدھی سادھی عظمت»۔

مشہور و معروف روسی نقاد بلنسکی نے پشکن کی مشہور نظم «ایوگینی اونیگن» سے «کپتان کی بیٹی» کا مقابلہ کرتے ہوئے، اس ناول کو ایک قسم کی «نثر یہ اونیگن» کہا ہے۔ یہ نظم انیسویں صدی کے روسی ادب میں حقیقت پسندی کا سنگ بنیاد سمجھی جاتی ہے۔

١۔ اٹھارھویں صدی کے روسی ڈرامہ نگار یاکوف کنیاژنین کے طربیہ ڈرامے «شیخی باز» سے اقتباس۔صفحہ ١١

٢۔ وہ افسر جس نے زار شاہی روس کے دو تمغے یعنی اندری پیروازوانی اور الکزاندر نیفسکی تمغے حاصل کئے ہوں۔ صفحہ ١٦

٣۔ طبقۂ امراء کے خلاف اٹھارھویں صدی کے مشہور روسی ڈرامہ نگار دنیس فون ویزن کی ایک نظم «میرے ملازمین شومیلوف، وانکا اور پیتروشا کے نام پیغام» سے اقتباس۔ فون ویزن مشہور طربیہ ڈرامے «غبی» کے خالق بھی ہیں (تیسرے باب کے شروع کا اقتباس دیکھئے)۔ صفحہ ٢٦

٤۔ طربیہ ڈرامہ «سنکی» از یاکوف کنیاژنین۔ صفحہ ٥٩

٥۔ الکزاندر پیتروویچ سوماروکوف، اٹھارھویں صدی کا روسی ڈرامہ‌نگار اور صحافی جو روسی ادب میں کلاسیکی طرز کا علمبردار تھا۔ صفحہ ٦١

٦۔ اٹھارھویں صدی میں تعلیم و ترقی کے مشہور روسی مبلغ نیکولائی نوویکوف کا مرتب کردہ مجموعہ «روسی گیتوں کا نیا اور مکمل مجموعہ»۔ صفحہ ٦٢

٧۔ اٹھارھویں صدی کا شاعر اور مترجم وسیلی کیریلووچ تریدیاکووسکی جس نے ادبی روسی کو جنم دینے کے لئے اور ردیف و قافیے کے میدان میں اصلاحات کرنیکے سلسلے میں بڑی جدوجہد کی ہے۔ تریدیاکووسکی کے شعروں کا طرز اس زمانے کے اعتبار سے مختلف اور بدعت کے برابر تھا، اور اس لئے ان کے ہم عصر اکثر انکا مذاق اڑاتے تھے۔ صفحہ ٦٣

٨۔ اٹھارھویں صدی کے روسی نغمہ ساز اور لوک گیتوں کے ماہر ایوان پراچ کا مرتب کردہ «روسی لوک گیتوں کا مجموعہ اور ان کے سر» کے ایک گیت کا ایک شعر۔ صفحہ ٦٨

٩۔ ایک گیت سے اقتباس جو کازان پر قبضہ کرنیکے بارے میں ہے (نیکولائی نوویکوف کا مرتب کردہ مجموعہ)۔ صفحہ ٩٢

١٠۔ ١٧٧٤ء میں بشکیریوں کی بغاوت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جسے زار کی حکومت نے انتہائی وحشیانہ طریقے پر کچل دیا تھا۔ صفحہ ١٠٤

١١۔ اگر ہم اس اقتباس کا مقابلہ الکزاندر اول کی اس تصویر سے کریں جو پشکن نے، ایک رباعی میں پیش کی ہے، تو اس جملے «شہنشاہ الکزاندر کے منصفانہ دور» میں جو طنز چھپا ہے وہ سامنے آ جائیگا:

«ایک کمزور اور دھوکے باز حاکم، ایک گنجا بانکا چھیلا، ایک کاہل الوجود، قدرت کی ستم ظریفی کی وجہ سے شہرت، جسکے پاؤں دھو رہی ہے۔» صفحہ ١٠٥

١٢ — «روسی گیتوں کا نیا اور مکمل مجموعہ» یہ چند سطریں ایک گیت «شہزادہ بویارین کی سزا کا گیت» کے شروع مصرعوں سے لی گئی ہیں، جو شاید استرے لیتس بغاوت کا کوئی اہم کردار تھا — صفحہ ١١٠

١٣ — قدیم روسی کہاوت جو تاتار منگول قبیلوں کی آمد کی وجہ سے (١٣ ویں سے ١٥ ویں صدی تک) روس پر لاد دی گئی — صفحہ ١٢٧

١٤ — نقلی زار جو خود کو خوفناک ایوان کا بیٹا شہزادہ دمیتری ظاہر کرتا تھا — پولینڈ کے حملہ آوروں کی مدد سے اس «نقلی دمیتری» نے ١٦٠٥ء سے ١٦٠٦ء تک گیارہ مہینے روس کے تخت پر حکومت کی — صفحہ ١٤١

١٥ — اٹھارھویں صدی کے روسی شاعر اور ڈرامہ‌نگار میخائیل خراسکوف کے ایک گیت «جدائی» کے چند مصرعے — صفحہ ١٤٤

١٦ — خراسکوف کی رزمیہ نظم «روسیادہ» سے اقتباس — اس نظم میں ١٥٥٢ء میں کازان پر قبضہ ہونیکا ذکر کیا گیا ہے — صفحہ ١٥٤

١٧ — یہ مصرعے جو سوماروکوف کے نام سے لکھے گئے ہیں دراصل خود پشکن کے تخلیق کردہ ہیں — صفحہ ١٧٠

١٨ — پوگاچیوف نے طنزاً فریڈرک ویلھیلم کے بیٹے فریڈرک دوئم کو روسی سانچے میں ڈھال لیا ہے — خود پوگاچیوف نے روس اور پروشیا کے درمیان سات سالہ جنگ میں حصہ لیا —

روسی فوج نے ١٧٦٠ء میں فریڈرک دوئم کی فوجوں کو زبردست دھکا پہنچایا اور برلن پر قبضہ کر لیا — صفحہ ١٨٧

١٩ — یہ مصرعے جو کنیاژنین کے نام سے لکھے گئے ہیں خود پشکن ہی کے لکھے ہوئے ہیں — صفحہ ٢٠٢

٢٠ — گرنیوف کے یہ جذبات کسی طرح بھی پشکن کے سیاسی خیالات کے آئینہ‌دار نہیں ہیں — اگرچہ پشکن کسانوں کی اس بے نظم و نسق بغاوت کا حامی نہیں تھا لیکن وہ کسی طرح بھی پوگاچیوف تحریک کو «احمقانہ تحریک» نہیں سمجھتا تھا — «پوگاچیوف کی تاریخ» سے متعلق اپنی یادداشت میں (جو چھپنے کی غرض سے نہیں لکھی گئی تھی) پشکن لکھتا ہے: «عام لوگ سب پوگاچیوف کے ساتھ تھے... پوگاچیوف اور اسکے ساتھیوں نے جو قدم اٹھائے ان کا غور سے مطالعہ کرنیکے بعد آدمی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ باغیوں نے اپنے مقصد کو حاصل کرنیکے لئے جو قدم اٹھائے وہ اس موقع کیلئے سب سے زیادہ مناسب قدم تھے — » صفحہ ٢١٢

٢١ — آرتیمی والینسکی — ملکہ آننا ایوانوونا (١٧٣٠—١٧٤٠ء) کا ایک وزیر، جو ملکہ کے چہیتے بیرون کے خلاف ایک سازش کا سرغنہ تھا — بیرون جیسا گھٹیا غیر ملکی مصاحب روسی دربار میں کبھی نہ آیا ہوگا — اندری خروشچوف — بحری بیڑے کے محکمے کا صلاح‌کار جس نے والینسکی کی سازش میں حصہ لیا اور اس کے ساتھ ہی سزا پائی — صفحہ ٢٢٤

٢٢ — رومانتسیو — اٹھارھویں صدی کا ایک مشہور روسی جنرل، جس نے ٢١ جولائی ١٧٧٠ء میں دریائے کاگول کے قریبی علاقے میں ترکوں کے خلاف اہم فتح حاصل کی، اور جس کی

فتح کے اعزاز میں زارسکوئے سیلو میں ایک مینار تعمیر کیا گیا ـ صفحہ ۲۲۷

۲۳ ـ «کپتان کی بیٹی» میں کیتھرین دوئم کا مرقع اگرچہ سرکاری اطلاعات کی بنا پر پیش کیا گیا ہے لیکن اس میں طنز کا بہت ہی نازک سا پہلو ہے، جسے آپ لوگ صرف اسی وقت سمجھہ سکتے ہیں، جب آپ روسی ملکہ کے بارے میں پشکن کے وہ تعریفی جملے پڑھہ چکے ہوں، جو اس یادداشت میں ملتے ہیں، جو اشاعت کی غرض سے نہیں لکھی گئی تھی:

«اگر طرز حکومت، انسانی کمزوریوں کے علم کا اور ان سے فائدہ اٹھانے کا نام ہے تو کیتھرین آئیندہ نسلوں سے داد و تحسین وصول کرنیکی حق دار ہے... لیکن وہ وقت ضرور آئیگا جب تاریخ اخلاق پر اسکے دور حکومت کے اثر کو اچھی طرح سمجھہ لےگی، جب تاریخ اس کی نیکی اور بردباری کی نقاب اتار پھینکےگی اور جب اسکی مطلق العنانیت کی اصلی سفاکی، رعایا پر اسکے درباریوں کے ظلم، اور اسکے یاروں کے ہاتھوں عوام کے خزانے کے لٹنے کا پردہ فاش ہو جائے گا، جب سیاسی معیشت میں اسکی اہم غلطیاں منظر عام پر آجائیں‌گی اور جب مہمل قانون سازی اور اپنے زمانے کے فلسفیوں کے ساتھہ اسکی ناقابل برداشت دل لگی بازی کا پردہ فاش ہو جائیگا — اور پھر والتیر بھی، جسکو سبز باغ دکھا دکھاکر اندھاکر دیا گیا تھا، کیتھرین کی شاندار یادوں کو روسی لعنت ملامت سے نہ بچا سکےگا ـ» صفحہ ۲۳۳